

ابن سفی کی جاسوسی کو دنیا



شماره نمبر ۱۲۰

ابن صفحی کی جاسوسی دُنیا کا

خاص نمبر

دھلشہ کمپنی

کرنل فریدی اور گیٹن حمید کا جیتہ انگریز کا رنامہ

ابن صفحی

اسرار سلیکیشنز پروفروں کا نوٹی کرائی ڈا

میرزا علی محمد
بیانی

بُلْمَه حقوق محفوظ ہیت

ایسے ناوے کے کردار واقعات
متامات قطعی فرضی ہیت۔ کی
قم کے میلٹت محض اتفاقی ہوگی۔
جسے کے لیے ادارہ یا مصنفہ ذمہ دار نہ ہوگے



اسرار احمد رابن صفی، نڈا یونکیشنل پرنسپلز سے چھپا کر دفتر اسلام پبلیکیشنز
ہر فرد و مس کالووف کراپی سے شائع کیا

پلیسیسرس

عرصہ دراز کے بعد ضریبی، جیدا اور قاسم سے ملتے... لیکن قبل اس کے آپ اس
اس کہانی سے رطف ان وزر ہوں۔ آپ کو فکتوڑ اسابر بھی کروں گا۔ یعنی پھر وہی کاغذ نہ۔ لیکن
کی قیمت بڑھانے کے بعد سے اب تک کاغذ کی قیمت میں ترقیاً پچیس فی صد اضافہ ہو گیا
ہے۔ میں نے قیمت صفحات میں اضافہ کے ساتھ بڑھانی محتی لیکن اب سوچ رہا ہوں کہ بات
کیسے بنے۔ اضافت میں مزید اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔ لہذا آپ ہی کوئی عمل تلاش کیجئے!
آپ کے جواب کا منتظر ہوں گا لیکن خدا را قیمت بڑھانے کو نہ کہنے والا کوئی اور حل جو
اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ صفحات پھر کم کئے جائیں۔ قلم با ریک کرایا جائے اور
باٹیں کی وجہتے تینیں سطریں لکھوائی جائیں اور مواد اتنا ہی رہے جتنا اضافہ کے صفحات
سیست دے رہا ہوں۔ بہرے خیال سے اس میں کوئی قیاحت نہ ہوگی۔ آپ کی کیا راستے ہے۔
فوراً مطلع کیجئے!

ایک صاحب نے لکھا ہے کہ آپ انگلش میں بھی لکھنا شروع کر دیجئے اس طرح آپ
کی اقتصادی حالت بھی مغربی ہی ملکوں کے مصنفوں کی سی ہو جائے گی۔ انگریزی میں ساری دنیا
کا مارکیٹ آپ کو ملتے گا۔ اگر باہر ہی کا کوئی پلبش ہوئی مل گیا تو اتنی رائی ملتے گی کہ آپ بھی
اول استینلے گارڈن کی طرح اپنا ہواں جہاز رکھ سکیں گے۔

بھیا! ہواں جہاز رکھ تو سکوں گا لیکن اُس پر میٹھے گا کون ہے... مقام پر بندھا
ہنہنایا کرے۔ لگایا زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ اُس پر بھی دو بن صفائی کا ہواں جہاز "الکھوا
ہوں گا اور دیکھ دیکھ کر خوش ہو گا کروں گا...
بھائی محض ہواں جہان کے ڈسے آج تک فرانس نہیں جا سکا رہ جانے کیوں فرانس
جانے کو اتنا دل چاہتا ہے)

مجھے آپ این صفائی لا لو کھیت والا اور حال مقیم ناظم آباد ہی رہتے دیجئے! اگر مرد مختاری ہے اور آپ بھی ہر ماہ میری کتاب پڑھتے رہیں گے۔ ورنہ اکر ہوائی ترکے قدر سے لختا ہی چھوٹ کیا تو کیا ہو گا۔

میری تیسی بھی اقتصادی حالت ہے اس پر رب المحتزت کا احسان مند ہوں! یہوں... دولت کی بیل میں ذہنی سکون کی دشمن ہوتی ہے آدمی مشین بن کر رہ جاتا ہے۔ بس اتنا ہی کافی ہے کہ میری ہمدردیات پوری ہوتی رہیں اور مجھے آپ سے قرض اپڑتے۔ میں اسے سب سے بڑی دولت مندی تجھتنا ہوں کہ جب میں سونے کے بیے تو مجھے فوائد میندا جائے۔

ایک صاحب نے پوچھا ہے۔ آخیر یہ زیرِ لینڈ ہے کہاں؟... کب پرست چلے کا

عرص ہے کہ ابھی میں بھی نلاش ہی ہوں۔ مجھے بھی نہیں مل سکا اس کے مختلف میں بجھتا چھرنا ہوں۔ مرکز تک پہنچ نہیں ہو سکی۔ جب بھی پہنچ سکا آپ کو مطلع کر لے گئے چل کر سواں کیا ہے کہ عمران، افریدی اور حبید کی غریبی کیا ہیں۔ بھائی۔ خوشنی یہ حضرت بھی اپنی اصل عرفا ہر کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ یہ آپ پر منحصر ہے جس لے چاہے تعین کر لیں۔ انہیں کوئی اعتراض نہ ہو گا....

والسلام
ابنِ صفائی

بالآخر قاسم گھر سے نکل بھاگا۔ یوی نے زندگی تباخ کر کھی تو بخی قاسم کی طاری۔ پھل پندرہ دنوں سے وہ ڈاری بڑھانے کے بخطیں بھی مبتلا ہو گیا تھا۔ سر کے بال تو پھٹے ہی تھے کاذر ہوں تک پہنچے ہوئے تھے لیکن وہ اُسے جدید فیشن کے مطابق سمجھ کر لفڑ انداز کر لئی تھی۔ لیکن جب قاسم نے شیو کرنا بھی ترک کر دیا تو ایک دن بھلا کر بولی۔ یہاں آپ میرے دادا بجان بن گئے۔“

” اپنا بھی بزر گا۔“ قاسم نے خوش ہو کر کہا۔

” میں کہتی ہوں اگر تم نے شیو نہ کیا تو اچھا نہ ہو گا!“

” قیا اچھا نہ ہو گا۔“ قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

” بالکل جنکل معلوم ہونے لگے ہو!“

” میں پوچھ رہا ہوں قیا اچھا نہ ہو گا!“

وہ میں کہیں چلی جاؤں۔!

” کب؟“ قاسم نے بہت زیادہ خوش ہو کر پوچھا۔

” تم تو چاہئے یہی ہو۔!“

” قیوں ترچا ہوں۔ سس کام کی ہو۔!“

” باوا جان سے پوچھو جا کر۔!“

” وہ بہت بھوئے بھائے میں۔ شرم اور جوتا اُتار لیں گے!“

” ابھی فون کر فی ہوں۔!“

” یہیں اٹھا لاؤں فون۔!“

” جہنم میں جاؤ۔ اے“ وہ پر شیخ کر بولی اور وہاں سے چلی گئی۔

لیکن حقیقتہ بات ہے میں ختم نہیں ہو گئی تھی۔ اُس نے پچھے مجھ عاصم صاحب کو فون پر اس سی پھوٹیں لی اخلاق دے دے دی۔!

” نماز بھی شروع کیا نہیں۔“ عاصم صاحب نے سوال کیا۔

” اسے چاچا جان۔ آپ سمجھنے کیوں نہیں۔ وہ ہمیشہ نے خیط میں مستلا ہو گئے ہیں!“

” چرس تو نہیں پینے نکا۔“ عاصم صاحب نے غالباً بوكھلا کر پوچھا تھا۔

” گھر میں تو نہیں پینتے با۔“

” منہ سے بربو آتی ہے با۔“

” میں نہیں جانتی۔ اے“ وہ جھنگھلا کر بولی۔

” اچھا اسے میرے پاس لے جھ دو با۔“

” اُس نے باب کا پریغام بیٹھاک پہنچا دیا اور بیٹھا بھڑک انھا۔“

” ان کے فرشتے بھی میرے طاطھی نہیں مندو اسکتے!“

” یہی جواب دے دوں فون پر تمہاری طرف سے!“ بیوی نے پوچھا۔

” نہیں اس کی حجامت نہیں۔ میں خود بات قروں غایا۔“

” سرکی ماں کرائے جانا!“ بیوی بولی۔

ایک گندی سی گالی قاسم کے فربن میں گوچ کر رہ گئی۔ اور اُس نے سختی سے بونٹ

سچ لیکے کہ نہیں زبان سے بھی نہ پھسل جائے اور بیچھا اس کی زبان! چھٹا ہنگہ بھر کی گالی

عجی ڈیڑھ من کی معلوم ہوتی۔

بہر حال باب کے پاس جانے کا غیرہ دے کر گھری سے نکل بھاگا اور ایک دربرے

ربجے کے ہوٹل میں پناہ لی۔ اول درجے تک کسی ہوٹل کا رخ اس یہ نہیں کیا تھا کہ دہاں

پر کے چنان پہچان والوں سے مدد بھیرد ہو جانے کا امکان تھا۔ ہوٹل میں قیام ہو جانے

کے بعد اسے دشخیست یاد آئی جس نے اُس کی روکھی پھیکی زندگی کو یہ نیامور عطا کرنے کی کوشش کی تھی۔ خاہر ہے کہ یہ شخصیت کیسٹن حیدر کے علاوہ اور کوئی ہوتی۔ اور کوئی تھا جو فاصلہ کرتا تھا اس کے مذہب کا سلسلہ اُس کے دوسرے منہ دوائے تو اسے چھاپا۔

سمجھتے تھے!

ایک دن قاسم نے زندگی کی بے کیفی کا شکوہ کیا تھا۔ اس پر حیدر نے کہا کہ وہ کچھ دنون کے بیے میتی کیوں نہیں بن جاتا۔ زندگی میں نیا پن بھی پیدا ہو جائے گا اور وہ زندگی میں کم از کم ایک بار دوڑھی سمیت بھی اُسے اپنے خانہ دل میں جگہ دینے کی کوشش کرے گا۔ پھر دونوں شمالی سرحد کی طرف نکل چلیں گے۔ جہاں سفید فام غیر ملکی ہمیتوں کے قافیے پھٹکتے پھر تھے ہیں۔ ان میں خورتی بھی ہوتی ہیں۔ اور بسا اوقات اتنی دلکش ہوتی ہیں کہ اس دلکشی کی رہ جاؤ۔ سہل الحصول بھی ہوتی ہیں اور اس پر اُن کے مرد سا تیکھوں کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ بشر طیکہ تھا میری حبیب اُن کے لئے چیز ہتھیا کر سکے۔

قاسم اس ذکر پر مبہوت رہ گیا تھا۔ تسلیت کی یہ کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ ہر چند کہ مشعر یونہی ردار وی ہیں دیا گیا تھا لیکن وہ سیڑھا ہو گیا۔ دوسرے دن شیو نہیں کیا تھا۔ اور بیٹھ پندرہ دن میں ترکھلی ہی نہیں بہچا چیز جاتی تھی۔ حیدر نے کم از کم میں دن کا کوئی بنتا یا تھا لیکن پندرہ حسوی ہی دن اُسے الٹا ڈینی پڑی کہ ”حاصہ باریں“ ہو گیا ہے۔

” لیکن ابھی مجھے فراغت نصیب نہیں ہوئی۔“ دوسری طرف سے حیدر کی آواز آئی۔

” آسے قیوں پور کر تے ہو۔“ قاسم نے ماڈھپیس میں کہا!

” پانچ دن مزید انتظار کرو۔ اُس کے بعد سے چھٹیاں شروع ہوں گی!“

” ابے چھپی کی ایسی قیمتی کیا کسی نے پکڑ کر باندھ دیا ہے کہ یہاں تک بھی نہیں آ سکتے۔!“

” جس ہوٹل میں تم ٹھہرے ہوئے ہو اُس کے قریب سے گزرنا بھی میرے لیے

باعثِ توہین ہو گا۔!

”بڑے نواب جادوے میں سالے۔“ قاسم بھنا کر بولا اور ریسیور کمپیوٹر پر تحریر دیا اور خود کلامی کے سے انداز میں بولا۔ ابے ہاں نہیں تو قیا میں دو دفعہ پیتا پچھہ ہوں۔“ دیکھا جائے غار۔“

پھر وہ تنہا ہی ہو گئے نسلک لھڑا ہوا تھا۔

خود کی دیر بعد ایک ایسے شوروم میں داخل ہوا جہاں موسیقی کے آلات فروخت کئے جاتے تھے۔ وہاں سے ایک گیتار خریدا اور اُسے کانٹرے پر ڈال کر یونہی بے مقصد آواز گردی کی تھاں لی۔ بعد صرف سمجھی گزرتا لوگ آنکھیں چھاڑ چھاڑ دیکھنے لگتے۔ ایسا دیوار بھی شامہ پر بھی نظر ڈالنے سے گزر ہو۔

پیدل چلتے چلتے تھک گیا تو بھنا کر ایک ٹیکسی میں بیٹھا اور پھر ہوٹل کی طرف پہنچ آیا۔

کمرے میں پہنچ کر وہ فون کی طرف جھپٹتا اور بڑے طیش کے عالم میں ایکس چینج کو کیسٹشن جید کے نمبر تھا۔ اور دوسری طرف سے رابطہ قائم ہوتے ہی ماڈھیس میں درماڑا اونٹی طرح گھوم پھر کرو اپس آنگنا ہوں۔“

”اوکو اجائبے میں نسلکے کی ضرورت ہی کیا تھی؟“ جید کی آواز آئی۔

”سلے تم نے پھر میرا بیاڑا کیا ہے...!“

”صبر سے کام لو۔ پانچ دن بعد۔“

”قیا ہو غایا پانچ دن بعد۔ ہمیں لوٹیاں آسمان سے برسیں گی۔“ قاسم دانت پیں کر بولا یومن نے مجھے اوکو بنایا ہے!“

”اتنا بڑا اونٹ میرا بیاپ بھی نہیں بن سکتا۔!“ جید کی آواز آئی۔

”چُپ رہو۔ خدا تمہیں غارت کرے۔ در بدر کرو یا مجھ قو۔!“

”تاد کھانے کی ضرورت نہیں۔ اگر میری عدم موجودگی ہیں کوئی ہمیشی خورت مل جو گئی تو تم اس سے کہو کے کیا۔!“

”ایسے ہاں یہ بات تو ہے!“ قاسم یک بیک ڈھیلا پڑ گیا۔

”لذدا پانچ دن بعد جب میں بھی پوری طرح ہمیشی بن جاؤں گا تو پھر بات بنے گی!“ ”تم بھی ہو گے۔!“ اعماق اسم نے حیرت سے کہا!

”دیگر نسبتی کسی ہمیشی کے ساتھ کوئی تشریف آدمی وحشی دیا ہو تو بتاؤ۔!“

”وہ تو نہیں وحشی دیتا۔!“

”بس تو پھر میرا پانچ دن صبر کرو!“

”اور ہمیں پڑا رہوں۔!“

”کیا حرج ہے! اس طرح تمہاری تڑپ اور بڑھے گی اور تم کام کے ہمیشی بن جاؤ گے!“

”ایسے مجھے شرم آتی ہے... گھبرا قرا ایک گیٹار خرید لیا ہے!“

”یہ تو تم نے بہت اچھا کیا۔... اب آدم سے بیکھو اور گیٹار پر زوزو، زوزو زوزو میرا محظوظ ہے تو بھانے کی کوشش کرو!“

”آئے ہاں یہ زوزو زوزو زو یقیا ہے...!“

”کیسے کوچک چک چک کر کے بلاتے ہیں نا۔... اسی طرح محظوظ کو بلانے کے لیے زوزو زوزو کرتے ہیں۔!“

”ابے نہیں...!“

”ہاں... ہاں... ورنہ یہ کانا اتنا مقبول کیوں ہوتا!“

”میں نے تو نہیں دیکھا کسی کو زوزو زوزو کرتے!“

”تم نے ابھی محظوظ ہی کہاں دیکھا ہے۔!“

”اکیلے جھوٹے گیٹا رجھی نہیں بچے غا۔!“

”اسی یہے جو رونے کھر سے نکال دیا ہے۔“

”اے جہان سن بحال کے۔ میں خود نقلہ ہوں!“

”اچھا۔ اچھا چین سے بیٹھو۔“ مجید نے کھلا درسلسلہ منقطع کر دیا۔

قاسم نے آنکھیں نکال کر انٹرومنٹ کو گھوڑا اور رسیور کریڈل پر پیش دیا۔ اسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دی۔

”قانون ہے!“ قاسم دھڑا۔

”روم سروس جناب!“ باہر سے آواز آئی۔

”آجاؤ!“

ایک ویرڑور واژہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا۔

”اوہ آپ نے طلب فرمایا ہے جناب!“

”اوہ میں نے!“ قاسم نے سوالیہ انداز میں کہا اور دیتھ قریب آکر آہستہ سے بولا۔

”اوہ ہمچس پینا منع ہے۔!“

”اوہ قون پیتا ہے!“ قاسم دھڑا۔

”ناراض ہونے کی ضرورت نہیں جناب۔ میں تو یہ عرض کرنے حاضر ہوا تھا کہ وہی معلوم ہوتے ہیں اس لیے آپ سے کھل کر بات کر رہا ہوں!“

”چھ سو۔ کچھ ایسے جیادہ بھی نہیں ہیں ہے۔“

”آپ کی طبیعت خوش ہو جائے گی!“

”خھوڑی دیر بعد بتاؤں گا!“

قاسم کو اس دھران میں یاد آگیا تھا کہ میری چھ سو بھی پیٹتے ہیں اہنذا جلدی سے پرے۔

”بہت بہتر۔ روم سروس کو فون کر کے شریف کو طلب کر لیجئے گا!“

”نکلا اور دس کے دونوں کھینچ کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیتے ہو وہ قاسم کو سکرت پیکٹ ویتا ہوا پولہ اپنے کو کسی حسین ساختی کی ضرورت ہوتے بھی مجھے ہی یاد رکھئے گا۔

”میرا نام شریف ہے!“

”وہ حسین ساختی۔ قیام طلب۔“

”اوہ آپ تو بہت بھوئے معلوم ہوتے ہیں جناب!“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا
واہم سکر لیا۔

”یہ کیا بد تنبیحی ہے!“

”معافی چاہتا ہوں۔ آپ زیادہ شوق ہیں مزاج نہیں معلوم ہوتے لیکن دو تند
مور ہیں ورنہ یہاں کیوں تشریف لاتے۔“

”اوہ پتا نہیں تم قیسی باتیں قرر ہے ہو!“ قاسم خنکوں نگل کر بولا۔

”اوہ آپ کے قبیلے کے لوگ تو عمماً فٹ یا تھوں ہی پر رات بسر کرتے ہیں!“

”اچھا۔ اچھا!“ قاسم سر بلکر بولا؟ ہاں ہاں میں شر قیہ ہوں!“

”شوق بڑا نہیں ہے! تو پھر لاڈ کسی کو!“

”سوچ قریتاڈ غا۔“

”اوہ ضرور ضرور۔... بس کچھ زیادہ خرچ کرنا پڑے گا!“

”اوہ لکھنا زیادہ!“

”اوہ تین سو اس کے دیڑھ سو میرے اور ڈیڑھ سو بیٹھل کے۔ آپ بہت شریف
ہیں!“

”اوہ ناراض ہونے کی ضرورت نہیں جناب۔ میں تو یہ عرض کرنے حاضر ہوا تھا کہ وہی معلوم ہوتے ہیں اس لیے آپ سے کھل کر بات کر رہا ہوں!“

”چھ سو۔ کچھ ایسے جیادہ بھی نہیں ہیں ہے۔“

”آپ کی طبیعت خوش ہو جائے گی!“

”کادس کا پیکٹ۔“

قاسم کو اس دھران میں یاد آگیا تھا کہ میری چھ سو بھی پیٹتے ہیں اہنذا جلدی سے پرے۔

”اوہ بہتر۔ روم سروس کو فون کر کے شریف کو طلب کر لیجئے گا!“

”اوہ چلا گیا اور قاسم خاموش بیٹھا طرح طرح کے منہ بنا تارا پھر کیک بیک
فون ہاتھوں سے مہینشا شروع کر دیا۔ ساختہ ہی کہتا بھی جاری تھا۔ بیکن میں اس سے

چھل غایکیا۔ لیکن میں اس سے ہوں غایکیا۔ اب اے مجید سامے میں قیامت توں ہے!“

” مجھے علم ہے! اس کے ذمہ داروں کی تلاش جاری ہے! ”

” میں ایس۔ پی سٹی کو اسی کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا تھا لیکن اس نے دلکھ دلوار کا پس آپنے آپنے نکال دیا ۔ ”

” آپ مجھے بتائیے! ”

” میں کھل کر عرض کروں گا کہ ابیں پی سٹی ان واقعات کے ذمہ دار فراز سے واقف ہے۔ لیکن ...! ”

” ہو سکتا ہے۔ میں آپ کے اس خیال کی تردید نہیں کروں گا۔ لیکن آپ ایس پی سٹی کو کیا بتانا چاہتے تھے؟ ”

” میں اسے یہ بتانا چاہتا تھا کہ میں نے ان واقعات کے ذمہ دار کو دیکھا تھا اور اس کے جسم کی بناء و ارچنے کے انداز سے اُسے پہچان سکتا ہوں! ”

” شکل سے نہیں پہچان سکتے! ”

” جی نہیں۔ اندر یہ اچھیں جھکا تھا جب میں نے اُسے دیکھا تھا۔ ”

” میں ابھی تک نہیں تجھ سکا کہ آپ کیا بتانا چاہتے ہیں! ”

” آپ کو علم ہے کہ شکوہ آباد میں نیزارت کی لنفری کاہ شہر سے خاصی اوپنجانی پر واقع ہے۔ شام کا وحدندر کا حصہ نہ تھا۔ اور میں وہیں ایک ویران گوشے میں بیٹھا اونٹھ رہا تھا دن بھر کی تھنکن کے بعد وہاں شام کی سردوہاں میں غینصی بیانی ہے۔ میں نے اپنے قریب ہی بھاری قدموں کی آوازیں سنیں اور چونکہ پڑا۔ وہ ایک لمبا نیڑا گا اور قوی میکل آدمی تھا اور اپنی دھن میں آگے بڑھا جا رہا تھا۔ میری طرف تو جھک نہیں دی۔ مطلب یہ کہ شاید اسے علم نہیں تھا کہ اس کو شے میں اس کے علاوہ اور کوئی تھی موجود ہے۔ وہ چنان کے سرے کی طرف بڑھتا رہا۔ مجھے خدا شہر ہوا کہ نہیں وہ ناؤ انشغلی میں چنان کے نیچے ہی نہ جا پڑے۔ ہو سکتا ہے کوئی سیاح ہو۔ پہلی بار

کرن فریدی نے بچھا ہوا سکارا لیش طرے میں رکھ دیا اور سامنے بیٹھے ہوئے مخفی سے نزد روزادی پر اپنی ہوئی تی نظر ڈالی۔

وہ سر جھکاتے بیٹھا تھا۔

” آپ نے ابھی تک نہیں بتایا کہ مجھ سے کیوں ملنے آئے ہیں؟ فرپری نے آہستہ سے کہا۔

” حم ... میری کمھیں نہیں آتا کہ۔ آپ سے کیا کہوں ... اور آپ کچھ کر بھی سکیں گے یا نہیں۔ خواہ مخواہ اپنی زندگی کو خطرے میں کیوں ڈالوں۔ وہ ہاتھ دہ بہت بیٹھے میں! ”

” آپ خاصے پر لیشان معلوم ہوتے ہیں! ”

” اور میں شکوہ آباد سے آبہوں ...! ”

” اوہ ... اچھا۔! ”

” اور ایسی کہانی لایا ہوں جو صرف میری نہیں بلکہ شکوہ آباد کے لاکھوں شہروں کی کہانی ہے۔ اور آن کی کہانی نہیں ہے۔ کئی سال سے ہم کتوں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ عادی ہو گئے ہیں۔ میں کبھی آپ کے پاس نہ آتا گرام دوران میں ایک نیسی صیبت ناچال نہ ہو گئی ہوتی! ”

” میں اسی کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں! ”

” آپ کو علم ہو گا کہ دراں کی جگہ بیوں کے دھماکے ہوئے ہیں۔ بیوں کی الک تباہ ہوتی ہیں اور بچھ لوگ رُخی بھی ہوئے ہیں! ”

دوسری آیا ہو۔ میں اُسے آگاہ کرنے کے لیے اٹھنی رہا تھا کروہ چڑان کے سرے پر بچپن
کر رک گیا۔ میں پھر بچپن گیا اور اُس کی طرف سے توجہ ہٹالی۔ لیکن مخفوڑی دیر بعد پھر
متوجه ہونا پڑا ایک نکہ وہ اونچی آواز میں کچھ کہہ رہا تھا اور جو کچھ بھی کہہ رہا تھا وہ اتنا رائج
تھا کہ اس کا ایک ایک لفظ مجھے آن بھی بیا رہے ہے!“
”یہ اپنے بھر بیخا!“ فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔
”وہ کہہ رہا تھا اسے روشنیوں کے شہر میں تجھے ان جھوٹوں کی گود میں سلا دوں گا
تیر سے سارے جمن کو خاک میں ملا دوں گا۔ شاید تجھے یاد نہیں کہ امدادہ سال پہلے
تیری گود میں ایک عورت یہاں ہوئی تھی اور تو نے اُسے سر چھپانے تک کی جگہ دینے
سے انکار کر دیا تھا۔ شکاری کرنے اس پر جعلیے تھے اور تو نے اُسے پستیوں میں دھیک
دیا تھا۔ میں تیری اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔“

”خوب۔“ فریدی سر ہلا کر رہ گیا۔ اور اجنبی کہتا رہا۔

”لیں جناب عالی۔ دوسرا ہی دن سے وہ دھماکے شروع ہو گئے تھے؟“
”تو آپ بھی کہانی شکوہ آباد کے ایس۔ پی کو سنانا چاہتے تھے!“ فریدی
نے پوچھا۔

”وہ جی ہاں!“

”اور اُس نے سنتنے سے انکار کر دیا تھا،“

”جی ہاں۔!“

”وہ اچھا ہی ہوا۔“

”میں نہیں سمجھا جناب!“ اجنبی کے لمحے میں حیرت تھی۔

”ظاہر ہے کہ آپ اُس شخص کی نشاندھی نہ کر سکتے۔ اور ایس پی آپ کو
پریشان کر دالتا۔ اس کی شہرت اچھی نہیں ہے!“

”اور اُس کے معاملے میں وہاں سے کہیاں تک سب بے بنی وہاں نہ
ڈسٹرکٹ میجسٹریٹ اُس کا کچھ بلکاٹ سکتا ہے اور نہ سیشن نج...!“ اجنبی نے زہری
لمحے میں کہا۔

”وہ آپ کا تعلق کسی سیاسی جماعت سے تو نہیں ہے!“
”وہ جی نہیں!“ اجنبی نے تلخ لمحے میں کہا! ”تین وہ جب چاہے ہر ایک کو
کسی سیاسی جماعت سے نجتی کر کے ناکوں چنے چواؤ سکتا ہے!“
”وہ ممکن ہے آپ کا خیال وُست ہو۔ وہ بہت دنوں سے وہاں تک دشمن
اور تحریک کار عنادھرست بر سر پہنچا رہے!“
”اگر اُس کے بارے میں آپ کی بھی راستے ہے تو ناقہ میں نے اتنا لما سفر
کیا!“ اس نے ناخوش گوار بھے میں کہا۔

”آپ نے اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا!“
”میرا نام شیرا فکن ہے اور میں آج تک ایک چوہا بھی نہیں مار سکا!“
”خوش مزاد آدمی معلوم ہوتے ہیں!“
”شکوہ آباد کے نواح میں میرا ایک چھوٹا سا موشیوں کا فارم ہے ازیادہ تر
اپنے کاروبار میں انجھار میتابوں... دیسے میرے باپ کو علم ہوتا کہ جوان ہو کر ایسا
لکھوں گا تو کچھی میرا نام شیرا فکن ترکھتا۔“

”آپ خاکساری سے کام لے رہے ہیں جناب!“ فریدی مسکرا کر بولا۔
”آپ بڑے دل گروے والے گلتے ہیں۔ آپ کے ملاوہ آج تک اور کوئی مزکروں
کے پاس ایس پی شکوہ آباد کی شکایت نہیں لایا۔“
”اگر وہ میری بات سن لیتا تو میں بھی نہ آتا۔“
”مجھے ہیرت ہے؟“ فریدی بولا۔

” اور اُس کے معاملے میں وہاں سے کہیا تھا سب بیس میں وہاں نہ
ڈسٹرکٹ میجسٹریٹ اُس کا کچھ بگاڑ سکتا ہے اور نہ سیشن نج...!“ اجنبی نے زہری
لہجے میں کہا۔

” دو آپ کا تعلق کسی سیاسی جماعت سے تو نہیں ہے!“
” دو جی نہیں!“ اجنبی نے تلنگ لہجے میں کہا! ”تین وہ جب چاہے ہر ایک کو
کسی سیاسی جماعت سے فتحی کر کے ناکول چنے چو اسکتا ہے!“
” دو جمکن ہے آپ کا خیال درست ہے وہ بہت دنوں سے وہاں ملک دشمن
اور تحریک کار عناد سے برس رہیا ہے!“
” دو اگر اُس کے بارے میں آپ کی کہی راستے ہے تو ناقہ میں نے اتنا ملا سفر
کیا!“ اس نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

” دو آپ نے اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا!“

” دو میرا نام شیرا قلن ہے اور میں آچ تھا ایک چو ما بھی نہیں مار سکا!“

” دو خوش مزاج آدمی معلوم ہوتے ہیں!“

” دو شکوہ آباد کے نواح میں میرا ایک چھوٹا سا مولیشیوں کا فارم ہے ازیادہ تر
اپنے کاروبار میں بمحارہ تباہوں... ویسے میرے باپ کو علم ہوتا کہ جوان ہو کر ایسا
نکلوں گاتو کبھی میرا نام شیرا قلن تھر کھتا۔“

” دو آپ خاکساری سے کام لے رہے ہیں جناب!“ فریدی مسکرا کر پوچا۔

” دو آپ بڑے دل گردے والے لکھتے ہیں۔ آپ کے علاوہ آج تھا اور کوئی مرنگ والوں
کے پاس ایسی پی شکوہ آباد کی شکایت نہیں لایا۔“

” دو اگر وہ میری بات میں لیتا تو میں بھی نہ آتا۔“

” دو مجھے جبرت ہے؟“ فریدی پوچلا۔

” اور ایسا ہو۔ میں اُسے آگاہ کرنے کے لیے اُٹھ ہی رہا تھا کہ وہ چڑان کے سر پر پہ
کر لے گیا۔ میں پھر بیٹھ گیا اور اُس کی طرف سے توجہ منتقلی۔ لیکن مخنوٹی دیر بعد
متوجه ہونا پڑا کیونکہ وہ اُپنی آوازیں کچھ کہہ رہا تھا اور جو کچھ بھی کہہ رہا تھا وہ اتنا رہا
نہ کہ اس کا ایک ایک الفاظ مجھے آن بھی یاد ہے!“

” دو کیا کہہ رہا تھا!“ فریدی نے دلچسپی نظارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

” دو وہ کہہ رہا تھا اسے روشنیوں کے شہر میں تجھے اندر ہیوں کی گود میں سلا دوں
تیرے سدارے ہوں کو خاک میں ملا دوں گا۔ شاید تجھے یا وہ نہیں کہ افقارہ سال پہ
تیری گود میں ایک عورت بیوہ ہوئی تھی اور تو نے اُسے سرچھپائے تھا کی جگہ دو
سے انکار کر دیا تھا، شکاری کئے اس پر جھپٹتے تھے اور تو نے اُسے پستیوں میں دیج
دیا تھا میں تیری اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔“

” دو خوب!“ فریدی سر پہاڑ کر رہ گیا۔ اور اجنبی کہتا رہا۔

” دو بس جناب عالی۔ دوسرے ہی دن سے وہ دھماکے شروع ہو گئے تھے!
” دو تو آپ بھی کہانی شکوہ آباد کے ایسیں۔ پی کو سُننا چاہتے تھے!“ فریدی
نے پوچھا۔

” دو جی ہاں!“

” دو اور اُس نے سُنتے سے انکار کر دیا تھا!“

” دو جی ہاں!“

” دو اچھا ہی ہوا!“

” دو میں نہیں سمجھا جناب!“ اجنبی کے لہجے میں حیرت تھی۔

” دو ظاہر ہے کہ آپ اُس شخص کی نشاندھی نہ کر سکتے۔ اور ایسی پی آپ کو
پر لیشان کر دالتا۔ اس کی شہرت اچھی نہیں ہے!“

”کس بات پر!“

”اس آدمی کی باتوں سے اس حد تک متاثر ہونے کے باوجود بھی آپ نے
اس کا تعاقب نہیں کیا۔“

”یقیناً گرتا“ وہ ملی سانس لے کر بولا بدیکن اُس نامزاد مرش کو کیا کروں
جو بھی بھی بڑے بُتے کے موقع پر اجھرا تا ہے!“

”اوہ...!“

”بیٹھے بیٹھے۔ پیرا چانک سو جاتے ہیں۔ اور کم اکم آدھے گھنٹے تک اپنی جگہ
سے جبکہ بھی نہیں کر سکتا۔“

”بیہ بھی بھی ہوتا ہے!“

”جی ہاں بہت علاحدہ کیا۔ لیکن شفاف ہوئی۔ بس دو ایں استعمال کرنے سے
جلدی جلدی مرض کا حملہ نہیں ہوتا۔“

”دیسی طریق علاج بھی کبھی آزمایا۔“

”نہ جانے کتنے اقسام کے تبلوں کی ماش کراؤں ای ہوگی۔!“

”سوال تو یہ ہے کہ آپ اُسے پہچانیں گے کس طرح اگر کہیں مل بھی گیہ لیشن
کے ساتھ کیسے کہہ سکیں گے کہ یہ دہی ہے؟ ابے شمار قدر اور اور بھاری جسم والے
شکوہ آباد میں ہوں گے!“

”اپنے چلنے کے انداز کی بنابر پہچان جاستا ہے!“

”سمجھ میں آنے والی بات ہے؟“ فریدی سر بلکہ پرتفع ریجھے میں بولا۔

”چلنے کے انداز سے میں اُسے پہچان لوں گا۔!“

”اور آواز تو پہچان ہی سکیں گے!“

”بانکل۔ بانکل...!“

”آواز سے جوان لگ رہا تھا یا مُخر...!“

”یہ کتنا مشکل ہے۔ بعض جوانوں کی آوازیں بھی بوڑھوں جیسی ہوتی ہیں!“

”زیادہ تر ایسا نہیں ہوتا۔“

”بہر حال میں یقین کے ساتھ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن اُس آواز
کو ہزاروں میں پہچان لوں گا۔“

”اور اُس کا دوبارہ ملنا محض الفاق پر مبنی ہو گا۔“

”بس یہی ایک دشواری ہے!“

”ہے نادشواری!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن شاید میں آپ کے اس مرض
کے ساتھ یہ کچھ کروکوں جس کا ذکر ابھی آپ نے کیا تھا۔“

”آپ اس کے لیے کیا کر سکیں گے؟“

”علاج لیکر ایک شناسا شکوہ آباد ہی میں رہتا ہے۔ اور علم العقاقير کا ماہر ہے!“

”علم العقاقير کیا ہے میں نہیں سمجھا!“

”جردی بڑیوں کا عالم۔ اُس کے پاس بے شمار نہیں ہے۔ اشاید آپ اُسے
جانتے بھی ہوں۔“

”یہ پروفیسر بھی کا ذکر تو نہیں ہے۔!“

”وہی دہی۔!“ فریدی سر بلکہ پرتفع ہے۔ ”جردی بڑیوں کے خطہ ہی کی بنابر شاید
آپ لوگوں نے اُسے پر نام دیا ہے۔ ورنہ کبھی پروفیسر خلیجی کہلاتا تھا۔“

”وہ تو دیوانہ ہے جناب!“

”اور شاید آپ کے بیان کر دے جیئے پر بھی پورا اُرتھتا ہے۔ خاصاً یعنی شیم
ہے۔ پر نہیں چلتے کا انداز بھی اُسی کے مطابق ہے یا نہیں!“

”اجنبی کچھ نہ بولا۔ کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ شاید فریدی کے اس بیمارک
نے اُسے حافظے پر زور دلتے پر محظوظ رکر دیا تھا۔“

”ھٹوڑی دیر بعد بولا! اولین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا یا“

”وہ تنہائی میں بڑا تباہی رہتا ہے۔ دھمکیاں دینے کی بھی عادت ہے!“

”آپ آپ نے مجھے ابھن میں ڈال دیا ہے!“

”آواز کو بھی یاد کیجئے پہلے بھی آپ نے اُس کی آواز سنی ہوگی۔!“

”مہنیں جناب۔ آواز پروفیسر کی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ پروفیسر کی آواز قبہ
حال میں پھانی جائے گی۔ اتنا لمبا چوڑا ہونے کے باوجود بھی چیزیں ہوتی ہیں“

”اور شاید اُس کی زندگی میں کبھی کوئی ایسی یوہ عورت بھی نہیں رہی جس کے
لیے وہ شکوہ آباد کی ایسے اینٹ سے اینٹ بجا دینے پر قل جائے۔“

”مجھے اس کا علم نہیں۔!“

”تو پھر یہ دھمل کے ہے۔“

”میں یہی سوال کے کر حاضر ہوں؛ شکوہ آباد میں آپ کوئی بھی محفوظ
نہیں رہا تحریک کارکسی خاص اور اہم آدمی کو نشانہ بنلاتے تھے۔ لیکن اس پار تو جب
بھی چاہا۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے کہ عام دھنگری کی سی صورت ہے!“

”وہ کچھ نہ بولا اور فریدی نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ ھٹوڑی دیر بعد شیراگن
نے ٹھنڈی ساش کے کرکھلا۔“ میں اس وقت خود کو اول درجے کا بیوقوف محسوس
کر رہا ہوں!“

”وہ آخوندگیوں؟“ فریدی کے ہیچے میں جیرت تھی۔

”میں نے خواہ نخواہ آپ کا وقت بر باد کیا۔!“

”شیراگن صاحب! آپ کو اس وقت سب سے بڑا فائدہ ہے!“

”جیسے کہ آپ آپ خود کو اس مرض سے بچات پایا ہی ہوا سمجھے!“

”میں میں اس مرض کی دواليت تو نہیں آیا تھا آپ کے پاس!“

”میں سمجھتا ہوں!“ فریدی سر ملا کر بولا۔ آپ چاہتے میں کہ میں شکوہ آباد

کے حالات میں مداخلت کروں!“

”جی ہاں! میں یہی چاہتا ہوں!“ شیراگن خوش ہو کر بولا۔

”میں آب پر میرے نے ممکن نہیں ہے!“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”مجھ سے وہ اجازت نامہ واپس لے بیا گیا ہے جس کے تحت میں اتنا

اختیار رکھا۔“

”مجھے حیرت ہے!“

”آپ کو حیرت نہ ہونی چاہیے۔ بیاسی حالات آپ کے سامنے ہیں!“

”اوہ تو کیا آپ پر بھی اس کا اشر پڑا ہے!“

”مجھ پر ہی نہیں۔ ہر اصول پسند آدمی پے دست و پا ہو کر رہ گیا ہے!“

”اوہ اس بھی طریقے کو شکوہ آباد میں کھلی بھٹکی ہے!“

”کس بھی طریقے کی بات کر رہے ہیں۔ وہ جسے آپ نے نیزارت کی تفریغ

گاہ میں دیکھا تھا۔“

”وہ جی نہیں۔ میں اس بھی طریقے کی بات کر رہا ہوں جس نے مجھے اپنے دفتر

سے نکلا دیا تھا۔ شکوہ آباد کے بے تاخ بادشاہ کی بات کر رہا ہوں۔ وہ جو ملکی

قویں کو اپنے پشت ڈال کر اپنے قوانین خود وضع کرتا ہے۔ جس کی پیداد کی فریاد، شکوہ آباد

کی کوئی عدالت بھی نہیں سن سکتی یا“

”مجھے علم ہے شیراگن صاحب!“

پھر دیکھ جوں جب کہ اس کے دوسرے ہی دن سے یہ سلسلہ ترقیات

”خا صاحب امامی انداز ہے۔ شام کے دھندر کے بیں وہ نوارت کی ایک اونچی
حصہ پر رکھ دیا جو کر شکرہ آباد کی روشنیوں پر نظر ڈالتا ہے اور مکالے پولنا شروع کر دیتا
ہے۔ میں اس نے آپ کو دیکھ تو نہیں پیدا تھا۔“

”خدا جانے... اورہ... تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اُس نے مجھے سنانے کے لئے وہ کو اُس کی بھتی !“

” اتنی بیداری سے اُسے بکواس نہ کہیے جب کہ اُس میں کسی ستم رسمیدہ بیوہ کو بھی ذکر تھا... لیکن اٹھارہ سال پہلے کی بات تھی اکیا اٹھارہ سال پہلے کے کسی عروج کا حالت اُس تقریر کو زنا دہ موثر نہ ساختا تھا۔“

”میں بھلا اس کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں!“
”اٹھارہ سال پہلے تو اسیں۔ پی شہباز بھی شکوہ آباد میں نہیں تھا۔ پھر وہ کون
تھا جس نے اٹھارہ سال پہلے کسی بیوہ پر ستم ڈھایا تھا۔ آپ کی عمر تو وہیں لگری ہے
کہ آس اک اس سلسے میں، کچھ بارہ طرتیا ہے۔“

”وہ جی ہنہیں! میں نے اس پر سبھت خور کیا ہے! لیکن مجھے ایسا کوئی واقعہ یاد نہیں آتا۔“

وہ بخوبی دیکھوں گا۔“
وہ بہر حال... بہت بہت شکریہ کرنل صاحب! میرامش ناکام نہیں رہا
وہ لیکن یہ بات ایسی تک صاف نہیں ہو سکی کہ آپ اُس مکنام آدمی کی شکایت
کر کر آئے ہم، رہا اسر، رہ شہزاد کی!“

دُو بُنیادی طور پر ایں۔ پی شہپار نہیں کی شکایت سمجھتے، ایک توکہ اس نے میری

”شکوہ آباد شرپیوں کے رہنے کی جگہ نہیں رہی۔ لیکن ہم اپنی نہ میسیں اور املاک چھوڑ کر کہاں جائیں۔ غیر ملکی ہیسوں کے غول کے غول چاروں طرف دنراک پھرتے ہیں۔ کھلے عام منشیات کی اسمگلتگ اور تجارت ہوتی ہے۔ جہاں کسی نے احتجاج کیا تحریک کاری کے لام من وھر لایا گیا۔“

وہ میں سب کچھ جانتا ہوں شیر افگن صاحب... لیکن جب تک میرے ملکے
کام سراہ مجھے وہاں کسی کام پر نہ رکھئے ہاں کچھ بھی نہیں کر سکتا ہے،

” پھر بھی آپ کہتے ہیں کہ میں خود کو ہی قوف محسوس نہ کروں !“
 ” ایکن اگر میں اپنے کچھ دن شکوہ آباد میں گزارنا چاہوں تو اس میں کوئی قیاحت
 نہ ہوگی۔ میں اپنی چھٹیاں وہیں گزاروں گا جو پانچ دن بعد سے شروع ہو جائیں گی !“
 ” کیا یہی سی سے ارادہ تھا۔“

”جی ہاں۔ اس دوران میں میرے کئی قریبی دوست بھی تحریک کا رینا دیتے۔“
میں لیکن میں اس پر نیا رہنمہ ہوں۔“

وہ تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ آپ بھی طور پر ۰۰۰ بی۔
وہ اور کچھ اُسی دوران میں آپ کے مرض کا بھی علاج ہو جائے گا۔ بی۔

”و لیکن میں پروفیسر خلیجی کے سچھے نہیں چڑھتا چاہتا یا“
 ”فکر نہ کیجئے اس کچھ میری لگرانی میں ہو گا۔ میں اُسے بہنے نہیں دوں گا۔

”ہاں... آپ اس اجنبی کے بارے میں مزید کچھ بتایا ہے جسے آپ نے نہ لکھا تھا۔“

”اُس کے بارے میں جو کچھ بھی جانتا تھا۔ آپ کو بتا چکا ہوں ۔“
 ”آپ کو یقین ہے کہ اس دوران میں بڑے پیمانے پر جو دھمکے ہوتے
 ہیں اس میں اسی کا باعث ہے !“

بات نہیں سنی تھی۔ اور دھڑکا وھڑکا فتاریاں شروع کر دی تھیں یا۔

”آپ کا جیاں ہے کہ وہ گرفتاریاں ناجائز ہیں۔“

”جی باں! میں یہی سمجھتا ہوں۔ بلکہ شکوہ آباد کے زیادہ تر لوگ توہیناں کہہ بیس کو ان دھمکوں میں خود شہباز ہی کا راتھ ہے۔ کچھ مخصوص لوگوں کو حراساں کرنے کے لیے اس نے یہ حرکت کی ہے۔“

”لیکن آپ کے ذہن میں وہی اجنبی ہے!“

”وہ ایسے حالات میں اور کیا کہہ سکتا ہوں!“

”خیر جناب آپ سے بڑی مدد ملے گی۔“

”اب اب اجازت دیجئے، ماشیر افغان! مختاہ ابوالواریست قدر اور دبلا پل آڈی تھا۔ عمر جا لیں اور پچاس کے درمیان ہی ہو گی چہرہ جھوپیا پا ہوا اور زرد تھا۔ میں ہمیں بھی دھندلی تھیں۔“

فریدی سے مصالحہ کر کے رخصت ہو گیا۔

یہ ایک بھی ملاقات تھی اور فریدی کی کوئی بھی میں ہوئی تھی۔ اُس کے رخصت ہو جانے کے بعد فریدی نے بچھا ہوا سکار و دبارہ سُکلایا اور اُسے ہونبوں میں دبائے ہوئے فون پر کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

دوسری طرف سے جواب ملنے پر بولا۔ ”ابھی ابھی کوئی سے ایک ٹیکسی جس کا نمبر اکیس والی، زیڈ نین ہزار چار سو ہے۔ نکلی ہے۔ اس کا تعاقب کرو۔“ پھر اس نے شیر افغان کا خلیفہ دہرا کہا۔ ”میں یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ کہاں مقیم ہے اور کون لوگوں سے ملاقات کر رہا ہے!“

کال کا سلسہ منقطع کر کے وہ ڈرائیور روم سے باہر نکل گیا!

تیسرا بار فون کی گھنٹی بچی تھی۔ اور محمد بھتنا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ قاسم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے دوبار نظر انداز کر کچا تھا اگر وہی تھا تو بچھا کھڑا بینا کارے دار۔ تھک ہا رکر تیسرا بار رسیور اٹھانا ہی پڑا۔

لیکن ”سیلو!“، ”شوافی!“ آواز میں کہی۔

”قرن!“ دوسری طرف سے قاسم کی آواز آئی اور بچہ محمد نے مٹکنے کی آواز بھی صاف سنی۔

”آپ کون ہیں۔!“

”آپ... قت قہاں سے بول رہی ہیں!“

”قت فہاں...!“

”اوہ ماف تیکھے تا۔۔۔ میرے حلقوں میں درد ہو رہا ہے!“

”تو علاج کیجئے۔۔۔ فون کرنے کی کیا ضرورت ہے!“

وہ شش شاپر رائگ نبر۔!“ دوسری طرف سے قاسم کی آواز آئی اور بیکھت سلسہ منقطع ہو گیا۔

محمد نے ابھی رسیور رکھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بچڑی اور محمد رسیور اٹھا کر دیا۔

”ابے کیوں بیسیجھ چاٹ رہا ہے!“

”ہوش میں ہو یا نہیں!“ دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ اور محمد کے

ہاتھ سے رسیور بچوٹتے بچوٹتے بچا۔

”اوہ معاف کیجئے!“ کا۔ قاسم بہت دیر سے پر لشان کر رہا ہے!“

” جس عالم میں بھی ہو۔ اٹھ کر نیا گراچلے آؤ۔ !“

” بب... پہت بہتر۔ !“

مجید نے گھٹری دیکھی رات کے سارے حصے دس بجے تھے۔ پائیں ہاتھ سے سر سپلا تے ہوئے ریسور کریڈل پر رکھ دیا۔ آرام کرنے کا موڑ تھا اور اس حد تک تھا کہ قاسم کے ساتھ متوجہ تفریح سے بھی روگردانی کی تھی۔

سینینگ سوت اتار کر طو عاً کر لایا۔ باسر جانے کے لیے کپڑے پہنے! اور گیرج میں پہنچ کر اس کاڑی کو اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرنے کا جس کی بیڑی ڈاؤن تھی۔

ملازموں نے کہا صاحب دوسرا گاڑی نکال لیجئے! اس شامت آگئی سبحوں کی۔ آپ سے باہر ہو کر بولا! ”تم تھے سے زیادہ قابل ہو... چلو ڈھکا نکاو!“ اس طرح بمشکل تمام گاڑی اسٹارٹ ہوئی تھی!

خواہ مخواہ بیہ حکمت کر گزرا تھا۔ جھلکا ہٹ بڑی چیز سے! اعقل جنطہ کو رہ جاتی ہے۔

اور بھروسہ ہوا جس کا خدا شہر تھا اس جھلکا ہٹ کے باوجود بھی تھا۔ یعنی لاست جل جانے کے بعد بیڑی کا رہا سہادم بھی نکل گیا۔ اور گاڑی دوڑھانی میں چلنے کے بعد بند ہوئی اور جھٹکے کے کر بند ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ شکی میں پر طول بھی نہیں تھا اب اپنی اس حماقت پر غصہ آئے رکھتا سڑکیں سنستان ہوئی جا رہی تھیں اور سردی شباب پر تھی۔ گاڑی سے اُتر کر خواہ بونٹ اٹھایا اس طرح ابھن پر جمک پڑا جیسے کوئی سچھ بیں نہ آئے والی خرابی واقع ہو گئی ہو۔ !

گاڑیاں گزر قریبیں لیکن کسی نے گھاس بھی نہ ڈالی... جو حماقت کر بیٹھا تھا اس کی بنابر پر گھر بھی فون ہمیں کر سکتا تھا۔ آخر اس سے یہ ڈیلوٹ پن سر زد ہی کہوں ہوا۔ دل ہی دل میں سر پیٹھا رہا۔

در اصل جدلاں کی وجہ کھڑے گھاٹ طلبی ”منہیں مجھی بلکہ طلب کرنے کا تھا۔ صاف تاہم تھا کہ کوئی واقعہ ہوا ہے۔ ایسا واقعہ کہ شاید وہ چھٹیاں بھی تھرے ہیں پر جایں جو پارچ دن بعد سے شروع ہوتے والی تھیں۔

کچھ دیر بعد ایک خالی شیکسی نظر آئی۔ با تھا اٹھا کر اُسے ٹوکایا اور ڈرائیور سے یہ ڈاگر مجھے (اس وقت نیا گرہ پہنچا دو تو یہ گاڑی تھماری!)“

” اسے صاحب... نیا گرہ...“ اس نے دانت نکال دیئے۔

” ہاں ایں غلط نہیں کہہ رہا۔ ابھی ابھی ٹرانسفلپٹر سے سلتا ہوں!“

” اُس نے پھر دانت نکال دیئے اور بولا! ایں دیکھوں... !“

” کوئی فائدہ نہیں! مجھے دیر موری ہے!“

وہ گاڑی رکھنے کا وقت ہو گیا ہے صاحب اور نیا گرہ سے خالی واپس آنا پڑے کابویاں سب اپنی گاڑیوں سے جلتے ہیں۔“

وہ میرے سے تین گناہ بیادہ کرائے کے بارے میں کیا خیال ہے؟“

” اگر ایسی بات ہے تو تم کے بیل چلیں گے صاحب!“

مجید نے گاڑی لاک کی اور شیکسی میں پیچھا گیا۔ جان میں جان آئی۔ اور اس نے کہا۔

” وہ جتنا تیز چل سکتے ہو چلو۔ !“

” وہ یکن صاحب وینگ نہیں کروں گا... !“

” کون کہتا ہے؟“

وہ نہیں صاحب! میں نے کہا پہلے ہی بتا دوں۔ ابھی ابھی ایک بلگم صاحبہ چوڑ دے چکی ہیں۔ ہسپتال گئی تھیں اپنے کسی عزیز کو دیکھنے والی پہنچیں تو گڑاں لگیں کہ بھبھا بس پندرہ منٹ کی وینگ کرو ہیاں سے مجھے والی سپی کے لیے سواری

”یہ بھی تھیک ہے! اس دن اندازا کرنے کی چوٹ ہوئی تھی؟“
 ”چور روپے چالیس پیسے کی؟“
 ”وہ بھی میں بھی ادا کر دوں گا!“
 ”اب تو آپ سے بھی خوف معلوم ہونے رکا ہے جناب!“
 ”جب تک پائی ادا نہ کروں گاڑی سے اُترنے نہ دینا!“
 بہرحال اسی طرح کی بکواس کر کے اپنا بگڑا ہوا موڑ تھیک کرتا، چلا گیا اور
 تیکرہ پہنچ کر حسب وعدہ پورا حساب بیباق کر دیا۔
 ”اگر گھنٹے اور ڈھنڈ کی بات ہو تو دیت کروں جناب!“ ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔
 ”دہنیں دوست! یہ رات شاید میں گزر جائے!“
 ”یہ... پہلیں کی گاڑیاں کیوں گھر طی ہوئی ہیں؟“ ٹیکسی ڈرائیور جو بہ
 کر بوجلا۔
 لیکن حمید اُرتا چلا گیا! موڑ پھر حزادب ہونے لگا تھا۔
 اندر سارہ بخت امر سنگھ سے ملاقات ہوئی۔ فریدی کا کہیں بتانہ تھا۔
 ”چھٹی کھشائی میں صور پڑے گی!“ امر سنگھ نے رازدارانہ بچے میں کہا۔
 ”ہوا کیا!“ حمید بچا کھانے دوڑا۔
 ”قتل کے علاوہ اور کیا ہوتا!“
 ”کرنل کہاں ہیں۔“
 ”دو پتا نہیں کچھ دیر ہے تو ہمیں ملتے!“
 ”کس کا قتل ہوا ہے؟“
 ”ہوشی کے رجسٹریں شیرافگان نام لکھا ہوا ہے۔ شکوہ آباد سے آیا تھا!“
 ”لیکن یہ ایکدم کرنل کہاں آکو دے؟“

نہیں ملے گی۔ آگیا ان کی جھاؤ لی۔ پورے سوا گھنٹے بعد واپس آئیں۔ کہنے لگیں تمہارا
 افسوس ان پورا کروں گی۔ شرافت آڑ سے آئی حاموشی سے لا کر گھر پکوڑا... میٹر نے ویٹنگ
 سیست چودہ روپے چھاس پیسے بنائے تھے۔ دھاڑنے لگیں کہ میٹر غلط چیل رہا ہے تم
 نے اُسے ایڈواش کر رکھا ہے دس روپے سے زیادہ نہیں بن سکتے۔ اتنے میں گھر کے
 اندر سے ایک باورہ می تھا۔ دار صاحب نکل آئے۔ چپ چاپ دس روپے لیے
 اور جھاگ کھڑا ہوا۔^{۱۶}
 ”یار تم لوگ بھی تو ٹھکر رہتے ہو یچاریوں کو... میٹر سے دور روپے نیادہ لین
 گے جناب...!“
 ”پھر اور کسے ٹھکلیں جناب! اُنہی سے خود بھی ٹھکر جاتے ہیں۔ پسیوں کا تو
 حساب ہی نہیں کرتیں۔ چار روپے پچھتر پیسے بنے۔ والپی کے لیے چونی نہیں ہے
 میرے پاس۔ بس ہضم کر گئیں پچھتر پیسے۔ پرسوں کا واقعہ سیئے۔ دوپی بیان گاڑی میں
 بیٹھیں کہنے لگیں فلاں جگہ بھارا مکان بن رہا ہے۔ بس مستریوں کو کچھ ہدایت دیں گی
 اور والپی ہو جائے گی۔ مکان میں داخل ہوئیں۔ واقعی بن رہا تھا۔ مزدور کام کر رہے
 تھے۔ دس پندرہ منٹ گزر جانے کے بعد میں نے ہارن بجانا شروع کیا۔ باہر نہ آئیں
 تو خود اُنہیں کر اندر گیا لیکن اُن نبی بیوں کا دور دوز تک پتا نہیں عطا۔ مزدوروں نے بتایا
 کہ وہ ان کے لیے اجنبی تھیں۔ کسی کا پتا پوچھا تھا اور دوسری طرف سے باہر نکل گئی تھیں
 دوڑ کر اُدھر پہنچا لیکن کس گھر کا دروازہ بجا تا...!“

حمید نہیں پڑا۔

”مجھے بھی ہنسی ہی آئی تھی۔“ ٹیکسی ڈرائیور بولا۔

”اگر پھر کبھی ملاقات ہو گئی تو!“

”میری کون سننے گا جناب! عورتوں کا معاملہ ہے!“

"میں یہ سب کچھ نہیں جانتا! لیکن معاملہ عجیب ہے اس سے پہلے ایسا قتل نہ دیکھا نہ سُتا۔ قاتل اُس بخارے کی گردن ریت کر جاگا۔ لوگوں نے دوڑایا۔ لیکن وہ زینے طے کرتا ہوا آخری منزل یعنی کھلی چھت پر پہنچ گیا اور وہاں سے چھلانگ نکالدی!"

"پڑپیار صدر ہو گئی ہوں گی!"

"جی نہیں! میرے کی مدد سے بھی نہیں پہلاش کی جاسکتی"

"پیارا مطلب..."

"قاتل فرار ہو گیا!"

"اوپری منزل سے چھلانگ لگا کر فرار ہو گیا۔ چھنگ تو نہیں پی گئے!"

"نہیں! ایسی کوئی بات نہیں۔ اس نے اپنی لپشت پر ایک چھوٹا سا پیرا شوت باہر رکھا تھا۔ چھلانگ لگاتے ہی وہ کھل گیا۔ لوگ باہر دوڑے تو اس نے ایک ہینڈر گر نیڈر ٹکھنے والا... بس دھماکا ہوتے ہی سب اندر... اور وہ زین پر پہنچ کر نہایت احتیان سے ایک اسپورٹس کار میں فرار ہو گیا!"

"خداکی پناہ..."! حیدر صدر ملا کر بولا "اداقتی چھپیوں کا چالیسوائیں ہو گیا!"

"خیریت ہونی کہ ہینڈر گر نیڈر کے دھماکے سے کوئی زخمی نہیں ہوا..."

"اور آب جناب کرن صاحب اُس اسپورٹس کار کے چکریں ہوں گے!"

ام سنگھ کچھ نہ بولا۔ حیدر نے لاش دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ امر سنگھ کے بیان کے طبق قتل پانچیں منزل پر ہوا تھا اور قاتل چار منزلوں کی سیپڑھیاں طے کر کھلی چھت پر پہنچا تھا۔ دریان میں اسے کوئی بھی نزروں کا سکا۔

"اگر وہ شکوہ آباد سے آیا تھا تو وہیں کیوں نہ قتل کر دیا گیا؟" حیدر نے امر سنگھ کو گھوڑے پرستے فریبی کے لیے کی نقل اپناری۔

"کیلاش نہیں دیکھنی۔ اُمر سنگھ نے مسکرا کر پوچھا!

"تھیں! لیکن وہ جگہ ضرور دیکھنا چاہتا ہوں جہاں سے وہ جیبالا پیرا شوت کے ذریعے اسکر تھا جاتا!"

"تو آئیے۔ میرے ساتھ ہو گئے!"

وہ دونوں چلتے چلتے ایک جگہ رُک گئے اور حیدر نے پلٹ کر ہوٹل کی عمارت کی طرف دیکھا۔

"وہ یہیں اُترتا ہے!" امر سنگھ بولا۔

"عمارت سے قریباً دو سو گز کافاصلہ ضرور ہے گا!..." حیدر نے کہا "تو پھر اسے چھلانگ سیسی بلکہ اٹھان کپنا چاہیے..."!

"اسی پر تو حیرت ہے! دیوار کے قریب پیرا شوت کے پیکار ہو جانے کا امکان تھا۔

لہذا اتنی لمبی چھلانگ لگانی بی پڑھی ہو گئی کہ پیرا شوت کے گھلنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو!"

"کیا وہ خاموشی سے قتل کر کے فرار نہیں ہو سکتا تھا اسکر اسٹوت ساتھ رکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ اُسے یہ کرتب ہر حال میں دکھانا ہی تھا... ہے!"

"وہ کام کا نکتہ ہے...!" امر سنگھ سر ملا کر بولا۔

"کیا وہ میرے لیے کچھ کہہ گئے ہیں؟"

"نہیں... تجھ سے تو کچھ نہیں کہا۔"

"لاش والے کمرے میں کون ہے؟"

"فلکنہ پیٹ سیشن کام کر رہا ہے!"

"حیدر نے ثارچ امر سنگھ کے ہاتھ سے لے لی۔ اور اُس کی روشنی میں آس پاس کا جائزہ لینے لگا! درستی بم کا ڈالا ہو اگر ڈھا بھی عمارت سے کچھ برہٹ کر بھی نظر آیا۔!

وہ دھماکہ محض دیہشت زدہ کرنے کے لیے تھا۔ اُس نے کہا۔

"اس کے بغیر تو اُس کا فرار ناممکن ہی ہو جاتا۔" امر سنگھ بولا۔ "لیکن جناب حیرت اس پر ہے کہ اُس بے وقعت سے آدمی کے قتل کے لیے اتنا بہنگام!"

” لیکن یہ چلا جگ میری سمجھیں نہیں آئی... میرا مطلب ہے کہیں کی چلا گا! ”
 ” دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور حیدر نے رسپورٹر ڈیٹل پر رکھ کر
 خالی سانس لی۔ ...
 امر سچھ کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا! اپنی موٹر سائیکل اُس کے حوالے کروی
 تھے جو سرداری نے مراجح پوچھا ہے حیدر صاحب کا تو انکھوں اور ناک کی رطوبتوں ہیں
 سیدھا کہنا مشکل ہو گیا! ... پتہ نہیں کس طرح منزد مقصود پر پہنچا تھا۔
 چیک فریڈری کی لئکن کے قریب چاہ کا۔
 ” تم آگئے...“ فریڈری کے لیے میں کسی قدر تباخی تھی۔ آزادگاڑی کے اندر سے آئی تھی۔
 ” اور میرا نام داعیٰ نہ لدھے!“ حیدر شوں شوں کرتا ہوا پلا۔
 فریڈری دروازہ کھول کر گاڑی سے امڑا اور سڑک کی بائیں جانب چلتا ہوا بولا۔
 ” ادھر آؤ! ...“
 ” حیدر نے خاموشی سے تعییل کی... فریڈری سڑک سے کچھ میں اتر گیا تھا اور ناپر
 روشن کری تھی۔ کچھ دور چلتے کے بعد طاری کی روشنی کا دائرہ ایک اسپورٹس کار پر پڑا
 اور حیدر نے فوراً ہی یہ بات مارک کی کہ اُس پر نہ پلیٹ موجود نہیں ہے...!
 ” انجن اجھی گرم ہے!“ فریڈری نے کہا! اور دیکھو... یہاں سے تسمی اور گاڑی کے
 کے ناٹروں کے نشانات سڑک کی طرف گئے ہیں! ”
 ” یہ تو آپ خود بھی دیکھ کر اس کا مطلب سمجھ سکتے تھے! ... مجھے کیوں خواہ منوہ
 نزے میں مبتلا کیا! ”
 ” تم اسپورٹس کاروں کے جنط میں بھی زمبتلا ہی اس دن دعویٰ کر رہے تھے کہ اس
 سال کے موڑل شہر ہیں کس کے پاس ہیں تھا۔ علاوہ شاید ہی کوئی بتا سکے! ”
 ” اوہ... ذرا ناپر مجھے دیکھئے... خالی سانس کا نیا ماڈل... مبتپیٹ غائب...“

” بے وقت سے کیا مراد ہے تمہاری! ”
 ” آپ خود چل کر دیکھ لیجئے! زندہ دیکھتے تو ترن آتا۔ لاش پر آنسو بہانے کو جی
 چاہے گا۔“
 ” بکواس بند کرو۔ میوی بچوں میں بلیچ کر اسی باتیں کی جاتی ہیں! ”
 ” میرا مطلب تھا کہ اس مہنگا میں کیا ضرورت تھی، راہ چلتے ایک نور وار گھونسہ
 پسل پر رسید کر دیا جاتا تو وہ دوسری سانس ترے سکتا! ”
 حیدر کچھ تکہے بغیر عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ پانچیں منزل پر واردات والے کمرے
 تک پہنچنے کے لیے اسی کی رہنمائی کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اُس کے سامنے ایک باور دی
 کا نشیبل موجود تھا۔ حیدر نے لاش دیکھی اور امر سٹاک کے قول کی صداقت اُس پر واضح ہو گئی۔
 داعیٰ اُس منجی سے آدمی کے قتل کے لیے اتنے فرامانی ادازی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو پیچے پیچے
 ایک ہی گلوٹ نے کام معلوم ہوتا تھا۔ سی تیز دھار آئے سے اُس کی گردان کافی کی تھی۔ حیدر
 اسی لمحن میں پڑا ہوا تھا کہ آخر یہ معاملہ براہ راست فریڈری نہ کیسے پہنچ گیا۔
 وہ کمرے سے پہنچنے والے تھا کہ راہداری سے اسی نے اس کا نام لے کر خاطب کیا۔
 یہ اسٹاٹ میخڑھا اور اُسے اطلاع دیتے آیا تھا کہ فون پر اُس کی کال ہے۔
 وہ تیزی سے فون نہک پہنچا اور دوسری طرف سے فریڈری کی آداز سنی جو پادریاوز
 کے قریب اُس کا منتظر تھا۔
 ” کیسے پہنچوں!“ حیدر ناٹھ پیس میں بولا! گاڑی تو راستے ہیں رہ گئی! ”
 ” کیا مطلب! ”
 ” غلطی سے وہ گاڑی نکال لی تھی جس کی عکسی میں پڑوں کم تھا! ”
 ” احمد ہوا امر سٹاٹ کی موٹر سائیکل لے لو۔ وہ فنگر پر پشت والوں کے ساتھ واپس
 چلا جائے گا۔“

ڈاٹن کی اسپورٹس کار... لگ لارڈ... یہ گاڑی صوفیہ کی ہو سکتی ہے یا سلان کی... ایا پھر خواجہ عیش کی؟“

” یہ سب کون میں ہے؟“

” صوفیہ سیمٹھ راشن کی لڑکی ہے! سلان ایک صوبائی وزیر کا بڑا کاہے... اور خواجہ بنش وہی ہے جس کی لاچیں پچھلے دنوں اسکلکٹ کے سسلے میں پکڑی گئی تھیں!“

” گاڑی کا اخجن نمبر فورٹ کرو۔ اور ان تینوں کو چیک کرو۔“

” لیکن یہ الحق نمبر پیٹ کیوں نکالے گیا ایکا اس کے بغیر گاڑی کے مالک کا پتا نہ لگ سکتا۔“

” دیر لگے گی۔ اگر تم یہ تین نام نہ لیتے تو محض انہن نمبر کی بنابر پتا لگانے میں خاصا وقت صرف ہوتا۔“

” بہر حال کوئی بیہاں پہلے سے اُس کا منتظر تھا! اسپورٹ کار مہین چھوڑی اور اُسے دھمری گاڑی میں نکالے گیا۔ لیکن یہ تو بتایے گہ کیہ کیس براہ راست آپ ہم کیسے پہنچ گیا؟“

” د پھر بتاؤں گا۔ وقت نہ صاف ہو... ان تینوں کو فوراً چیک کرو۔“

” تو پھر موڑ سائکل...“ احمد کراہ۔

” گاڑی میں جاؤ۔ موڑ سائکل میرے لیے چھوڑو!“ فریدی جھنجھلا کر بولا۔

” تکلفاً بھی انکار نہیں کروں گا...“ درہ میری ناک...“

” جلدی کرو۔“ فریدی اُسے سڑک کی جانب دھکیتا ہوا بولا ”جسے بیہاں اس وقت تک ہٹھنا ہے جب تک اس گاڑی کی نگرانی کے لیے گوئی نہ پہنچ جائے!“

” سیمٹھ راشن کی بیٹی سے ابتداء کرتا ہوں کہ بیہاں سے قریب ترین وہی ہے!“

” جمید نے کہا اور لیکن میں آبیٹھا۔“

سچھ دور آجی سڑک پر چلنے کے بعد گاڑی باہمی جانب کچھ میں آتا روی۔ سیمٹھ کو سچھ بیک پہنچنے کے لیے شارت کٹ لے رہا تھا۔

حکومتی دیر بعد بڑی بڑی کوکھیوں والے اُس علاقے میں داخل ہوا جہاں زیادہ سڑک پر بڑے تاجر آباد تھے۔

سیمٹھ راشن کی کوکھی کے کپاٹوں میں پولیس کی ایک پیڑوں کا رکھڑی دیکھ کر جسکی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں!“

تو گویا بیہاں پہلے ہی سے کوئی چکر حل رہا ہے۔ اس نے پیڑوں کا رہی کے قرب سکسی روکی اور پیڑوں کا رہا باور دی ڈرائیور چونکہ کوئی سے گھورنے لگا۔

” کیا قصہ ہے؟“ حمید نے اُس سے پوچھا!

” کیسا قصہ! آپ کون صاحب ہیں جناب؟“

” میں نے تم سے سوال کیا ہے اُس کا جواب چاہتا ہوں... کون ہے اس پیڑوں پر پرے!“

” ڈی۔ ایس۔ پی صاحب ہیں... اندر گئے ہیں!“

حمید نے گاڑی آگے بڑھائی اور پورپر کی طرف لیتا چلا گیا۔ اتنے بیش۔ ڈی۔ ایس۔ پی منڈ کو رجھی شایدرو اپسی کے لیے باہر نکلا تھا۔ حمید کو گاڑی سے اُترنے دیکھ کر پورپر کے زینوں ہی پر رُک گیا۔

” آپ...! اُس کے لیے میں حیرت تھی۔

” آپ کو حیرت ہوئی ہے...!“

” میرا خیال ہے کہ یہ بات میری ذات سے آگے نہیں بڑھی تھی!“

” کوئی بات؟“ حمید نے سوال کیا۔

” سیمٹھ صاحب کی بیٹی کو جزو اقتہ پیش آیا تھا!“

”اُوہ... تو پھر کوئی اور بات ہوگی... کس کی میٹی کو کیا واقعہ پیش آیا؟“

”میں صوفیہ سے آٹھ بجے کے قریب کسی نے ان کی اسپورٹس کار چھینی لی اور سپر گھونسہ مار کر ہموش کر دیا۔!“

”اُوہ - لیکن کہاں...“

”وہ نیا گرا جاہری تھیں۔ سیاہ رنگ کی ایک بڑی گاڑی نے راستہ روک لکھا۔... انہیں بھی رکنا پڑا۔ سیاہ گاڑی سے ایک آدمی اُڑا انہیں ان کی گاڑی سے باہر کھینچ لیا۔ پھر میں پر گھوشنے پر ٹرنے کے بعد کے واقعات کا علم انہیں نہیں یہاں“

”آپ تک رپورٹ کیسے بخی۔!“ جمید نے پوچھا۔ اور ڈی۔ اسیں پی کی آنکھوں میں انجمن کے آثار دکھائی دیئے۔

”کیا آپ کا یہ سوال کسی اہمیت کا حامل ہے۔!“

”باشکل! وہ چھینی ہوئی اسپورٹس کار ایک قتل میں ملوث ہو گئی ہے۔ کیا آپ کو نیا گرد وارے قتل کی اطلاع نہیں ملی۔“

”نہیں میں نہیں جانتا!... میں صوفیہ نے اس واقعہ کی اطلاع قریباً تو بے نون پر دی بختی...“

”کیا وہ اندر موجود ہے؟“

”جی ہاں!“

”فی الحال والپی کا ارادہ ملتوي کر دیکھئے۔ میرے ساتھ آئیے۔ اسپورٹس کار میں گئی ہے اور میں اسی کے سلسلے میں ہیاں آیا ہوں۔“

”آپ لوگ واقعی جبرت انگیز ہیں!“

جمید بڑا سامنہ بنائے ہوئے اس کے ساتھ ڈرائینگ روم میں آیا۔ صوفیہ بھی تک یہی موجود تھی۔ سیٹھ راشد بھی تھا۔ جمید صوفیہ کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ شہر کی کسی بھی

ایڈ و پریسند اڑکی کے لیے اجنبی نہیں تھا۔

”اوہ سیلو کسٹن۔“ صوفیہ لہک کر اٹھی اور اس سے مصافحہ کرتی ہوئی بولی تو

بات اس حد تک بڑھی ہے!“

”خوفناک حد تک بڑھی ہے! ذرا دیکھئے یہ نمبر آپ ہی کی گاڑی کے اجنبی کا از نہیں

جمید نے کاغذ کا ایک پر لہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”اجنبی نمبر...“ صوفیہ نے جبرت سے کہا اُرے جانب رجسٹریشن نمبر لو پھے!“

”نمبر بلیٹس گاڑی سے نکال لی گئی ہیں!“

”تو کیا گاڑی مل گئی...!“ سیٹھ راشد نے پوچھا!

”جی ہاں...!“

اثنتی بیس صوفیہ بولی ”غالباً یہ نمبر ہیری ہی گاڑی کے اجنبی کا ہے۔ رجسٹریشن

کی لتاب گاڑی ہی میں تھی!... اُس پر اجنبی نمبر جی تحریر ہے!“

محیمود جو نمبر بلیٹس نکالے گیا اس نے رجسٹریشن ہاک کب چھوڑی ہو گی۔ بہر

حال آپ کی گاڑی ایک قتل میں ملوث ہو گئی ہے!“

”نہیں۔!“ سیٹھ راشد اچھل پڑا۔

”جی...“ جمید نے کہا اور بڑے ڈرامائی انداز میں نیا گرد وارے قتل کی روایاد

دہرانے لگا!

سیٹھ راشد اور صوفیہ کے چہروں پر ہوائیاں اٹڑی بختی۔

”گاڑی کہاں ہے!“ ڈی اسیں۔ پی نے جمید کے خاموش ہوتے ہی سوال کیا!

”پاور ہاؤز کے عقب میں۔ کرنل صاحب کے زیر نگرانی... وہ گاڑی ہیری

کئی بار کی دلکشی ہوئی تھی اس لیے سید وہا یہیں چلا آیا۔“

”میں نے ایک بار آپ کو اسی میں لفت بھی تو دی تھی!“ صوفیہ بولی۔

” یہ سوالات اسی کو شمش پرینی ہیں کہ ان کے بیان پر لیتیں کروں ... ورنہ قانون کسی بیان کی صداقت کے لیے شاہد تھی ملکب کرتا ہے !“

” تو اس کا یہ طلب ہوا کہ ان کوئی اس کے بیان کی تائید نہ کر سکا تو آپ اسے مشتبہ سمجھیں گے !“

” طبیوری پیغیر - صوفیہ لاہور اٹھا کر بولی بات نہ بڑھای۔ میں کیپیٹن کا نکتہ نظر سمجھ رہی ہوں۔ لیکن میں اس معاملے میں بے بن ہوں! اگر مجھے علم ہوتا کہ وہ محض رہزی نہیں تھی تو میں لفظ دینے والے کا نام اور پتہ ضرور نہ کرتی۔“

” دو حلیبہ بتایے شاید اسی طرح کچھ کام چل جائے۔ اُس کی گاڑی کامیک اور موڈل بھی یاد ہو تو بتائیے !“

” ادھیر عمر کے ایک سنجیدہ سے آدمی تھے! چہرہ بیضاوی۔ زنگت صاف۔ گھنی سنجیدیں، پیشانی کشادہ... گاڑی امروہ فیضیں ہندو ریڈھی۔ موڈل ہتر پرہتر کا ہوگا۔“

جید کا قلم نوٹ پاک کے صفحے پر چلتا رہا۔

” کیا بیری موجودگی ضروری ہے !“ دو ایں۔ پی نے جید سے پوچھا۔

” آپ کی صرفی پر محصر ہے !“

” تو پھر میں چلوں۔“ اُس نے کہا اور ڈرائیور روم سے نکل گیا۔

” آپ کچھ سپیٹ کے کیپیٹن !“ صوفیہ نے پوچھا!

” کافی پیوادیجے۔ بلیک - !“

” میں ابھی آئی ... !“ کہتی ہوئی وہ عجی چلی گئی اور جید نے سیٹھ راشد سے کہا۔

” مس صوفیہ میرے لیے اجنبی نہیں ہیں اور میں ان کا بہت احترام کرتا ہوں

آپ خواہ جنواہ پر نیشان ہو رہے ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ عدالت میں دیکھ سکا۔

” نہیں کم سے کم پر نیشان کر سکے !“

” جی ماں مجھے یاد ہے اور اب ذرا اُس آدمی کا حلیبہ بیان کیجھ بس نہ آپ پر حملہ کیا تھا !“

” حلیبہ - بہت مشکل ہے۔ وہاں انہیں اخفاہ اور میں اس کی شکل نہیں دیکھ سکی تھی۔“

” آپ کو ہوش کیسے آپنا تھا اور واپسی کس طرح ہوئی تھی ?“

” خود بخود ہوش میں آئی تھی۔ مرٹک کے کنارے پڑی ہوئی تھی۔ ہوش آتے ہی خوف کے مارے دم نکلنے لگا۔ خوٹری دیر بعد نیا گرد کی طرف سے ایک گاڑی آتی دکھانی دی تھی۔ بس لفٹ سے کر گھر آگئی۔ اور گھر ہی سے مقصود صاحب کو فون کیا تھا۔“

ڈی ایس۔ پی سرہلہ کر رہے گیا۔

” جس سے لفٹ لی تھی۔ وہ کون تھا !“

” نہ اُس بیچارے نے مجھ سے میرا شجرہ نسب پوچھا اور نہ میں نے اُس سے اس کا !“

” لیکن نیا گرد والی مرٹک پر آپ کو تہنہاد لیکھ کر اُسے جیرت تو ہوئی ہو گی۔ کیا آپ نے اُسے اپنی کہانی سننادی تھی !“

” میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سوال کیلیا اہمیت ہے !“ سیٹھ راشد نے دخل اندازی کی

” میں ایک قتل کی تقییش کر رہا ہوں اور صوفیہ صاحبہ کسی نہ کسی طرح ... !“

” قتل کے سلسلے میں اُس کا نام مت لیجے۔“ راشد صاحب بات کاٹ کر بولا۔

” قاتل نے فرار کے لیے جو گاڑی استعمال کی وہ صوفیہ صاحبہ کی تھی - !“

” آپ اس کا بیان سن چکے ہیں !“

” محنت میں بات نہ بڑھایے - !“

” آپ اس قسم کے سوالات کر رہے ہیں جیسے آپ کو اُس کے بیان پر لیتیں نہ ہو۔“

” مجھے اپنے روئے پر افسوس ہے ۔ بِدَارِ صَلَ اچانک ایسی نہر سن کر ۔۔۔ ।“
” میں سمجھتا ہوں ۔ آپ بالکل پریشان نہ ہوں ۔۔۔ لفڑ دینے والے کو ڈھونڈ
نکالوں گا اور یہ مشکل بھی آسان ہو جائے گی ۔“
صوفیہ والپس آگئی اُس کے چہرے کی تازگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ بدستور
مسکاری تھی۔

” کسی طرح بھی سبھی آپ نے میرے گھر میں قدم تو رکھا ！“ اس نے حمید سے کہا۔
” بہت سے آپ کا ہوتا لیکن ہمارا یہیں قدم رکھنا بد شکونی ہی تصور کیا جاتا ہے ！“
” ہمچوڑی یہی بھی ۔ کیا آپ لوگوں کی کوئی سوشل لائف ہی نہیں ！“
” میری تو سوشل لائف کے علاوہ اور کوئی لائف ہی نہیں ！“
” میں بہت تھکا ہوا ہوں ！“ سیٹھ راشد اٹھتے ہو گولا۔
” آپ اسلام کیجیے ڈیڑھ یا ۔“ صوفیہ نے ہنس کر کہا ”کوئی ایسی خاص بات نہیں
ہے۔ میں اس قتل میں ملوث نہیں ہوں ！“
” سوال ہی نہیں پیدا ہوتا !“ حمید بولा۔
سیٹھ راشد چلا گیا اور اتنے میں ایک ملازم کافی کی ٹرالی سمیت ڈرائیور م
میں داخل ہوا۔

” فرار کا ایسا طریقہ نہ کبھی دیکھا اور نہ سنا !“ صوفیہ بولی۔
حمدید کچھ نہ بول۔ وہ خود ہی اپنے لیے کافی انڈیلنگ لگا تھا۔ دوسرا پیالی صوفیہ کی
طرف سر کادی۔

” تو آپ لفڑ دینے والے کو تلاش کریں گے !“ صوفیہ نے پوچھا!
” آپ کوشہ سے بالآخر کر دینے کے لیے یہ ضروری ہو گا۔“
” مجھ پر کس قسم کا شبہ کیا جاسکتا ہے ۔“

” اعانت جنم کا۔ فزار کے لیے آپ ہی نے اپنی گھاٹی ہبیا کی تھی۔“
” بد امضک می خیر خیال ہے ۔۔۔ ।“
” ہے تو۔ لیکن حالات ۔۔۔ آخوند پلیٹیں کیوں نکالی گئیں ۔“
” میں کیا بتاؤں ؟“
” یہ سوال آپ سے نہیں تھا ؟ میں خود سوچ رہا ہوں ! اگر وہ محض رہنمی تھی تو
رہنمی کو نہر پلیٹیں نکالنے سے کیا فائدہ پہنچا ؟“
” ہاں ہے تو اجھا دے کی بات ۔“
” میں نے یہ نکتہ سیدھا صاحب کی موجودگی میں اس لیے نہیں اٹھایا تھا کہ وہ اور
زیادہ پریشان ہو جائیں گے۔“
” آپ نے اچھا لیا۔ میں یقین کریں کہ اس قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں اور میں مقتول
کی بھی شاخت ہوئی یا نہیں ۔“
دو نیاگرہ کے رہبڑیں اُس نے اپنا نام شیرا فگن لکھوا رکھا۔ سکونت کے خانے
میں شکوہ آباد درج تھا !“
” نہیں ۔“ صوفیہ پوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔
” کیوں ؟“ حمید اسے تیز نظروں سے دیکھا ہوا بولا!
” کیا قلبے پتے اور لپٹتے قد تھے ۔“
” آپ بالکل صحیح حلیہ بیان کر رہی ہیں ۔۔۔ ।“
” ڈیڑھی !“ ”دفعۃ“ وہ حلیق چھاٹ کر جھینجی اور گرفتی پر قی جھاگتی ہوئی اندر حلیپی گئی!
کافی پاٹ ٹرالی سے اچھل کر قالین پر جا پڑا تھا۔ حمید بکابکا بیٹھا رہ گیا! اس کی سمجھ
میں نہیں آ رہا تھا کہ آب اُسے کیا کرنا چاہیے۔ قتل سے ان لوگوں کا تعلق رہ ہو یا نہ رہا
ہو سکیں شاید مقتول سے کوئی تعلق ضرور تھا۔ ورنہ وہ اس طرح بد حواس نہ ہوئی۔ اُس

نے اٹھ کر قالین پر پڑا ہوا کافی پاش اٹھایا اور کافی کے اُس ناریک دُبھے کو دیکھنے کا جس نے ایک بیش قیمت قالین کا سنتیا ناس کرو دیا تھا۔

”دو دیسے بھی میں یہ چھپیاں شکوہ آباد میں گذرتا!“ فریدی بولا۔

”دُلک - کیوں...!“

”ایسی ہی کوئی بات نہیں۔ اور تم نادانشگی میں شماں کی لفڑی کا ہوں کا ذکر کر کے خوش ہو دیا کرتے تھے۔ شکوہ آباد بھی اُنہی لفڑی کا ہوں میں سے ایک ہے۔!
”لیعنی چھپیوں میں بھی آپ کو دنیا کوئی کام کرنا تھا!“

”ظاہر ہے۔!“

”ایس۔ پی شہزاد کا کوئی معاملہ ہے؟“

”اس کے علاوہ دہلی اور کیار کھاہے؟“ فریدی نے کہا اور شیرازگن سے اپنی لفڑی کے بارے میں بتانے لگا۔

جمید نے اس کے خاموش ہوتے پر کئی ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں لی تھیں اور اپنی بعض سُٹونے لگا تھا۔

”تمہیں کیا تکلیف ہے؟“ فریدی نے اُسے گھوڑتے ہوئے پوچھا!

”مجھے تو کوئی تکلیف نہیں ہے لیکن وہ بے موت مارا جائے گا!“

”دُلکون؟“

”فاسِم۔!“

”کیا مرطیب - ?“

”وہ ایک ہوٹل میں بیٹی بنایا تھا ہے۔ گھر سے نکالا گیا ہے! میں نے کہا تھا اس پیٹی بنائ کر اپنے ساتھ لے جاؤں گا... اس طرح وہ بیپی خورتوں سے متعلق بھی اپنی معلومات میں اضافہ کر سکتے گا!“

”اوہ۔ بڑی محنت بات سمجھائی تمنے!“ فریدی نے کہا اور بیٹھ کر سکار سدا کا نے لکھ جید اُسے جرأت میں دیکھے جا رہا تھا۔ آخر اس میں خوشی کی کیا بات تھی۔ وہ تو سمجھا تھا کہ اس

تو وہ سیمھدر اشد کا سوتیلا بھائی تھا!“ کریم فریدی نے ٹھہرے ٹھہرے روں کر کہا۔

”لیکن نمبر پلیٹوں کا معاملہ؟“ فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”اس انکشاف کے بعد سے یہ الجھن بھی رفع ہو گئی ہے۔“ جمید نے کہا۔ صاف ظاہر ہے کہ کوئی اس قتل کو سیمھدر اشد کے سرخوپنا چاہتا ہے۔ ورنہ نمبر پلیٹیں کیوں نکالے جاتا؟“

”بظاہر الجھن رفع کر دینے ہی والی بات ہے!“

”لیکن بباطن؟“ جمید نے سوال کیا۔

”کچھ نہیں۔ فی الحال اس سلسلے میں کچھ نہیں کہتا چاہتا۔“

”میں رات ہی سے پوچھ رہا ہوں کہ آخر یہ معاملہ براہ راست آپ نک کیسے پہنچ گیا!“

”معاملہ نہیں پہنچا بلکہ معاملہ تک خود مجھے پہنچا پڑا تھا۔“

”میں نہیں سمجھا!“

”شیرازگن صرف مجھ سے ملنے یہاں آیا تھا اور میں اس کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس طرح بات فوراً مجھ نکل پہنچ گئی۔ نگرانی کرنے والا اس وقت بیاگرہ ہی میں موجود تھا جب قتل ہوا۔“

جمید نے تیرزی سے کھوپڑی سہلانی اور چھپیوں کے جنائز پر بخوبی چڑھا دیئے

سلسلے میں بھی اسے سخت سُست سُنٹا پڑے گا!
سگار سدھا کر اُس نے کہا۔ تم بھی ہمپی بنو گے!“
”میں ججیداً چل پڑا۔“
”ہمپی عورتوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی خواہش نہیں بھی ہو گی!“
”کبھی مذاق کر رہے ہیں!“
”نہیں۔ میں سیریس ہوں... قم دونوں سرحد پار جاؤ گے اور وہاں ہمپیوں کے
کسی ایسے قافلے سے جا ملوگے جو غیر قانونی طور پر سرحد پار کر کے ادھر آنا چاہتا ہو...“
”اس سے کیا ہو گا؟“
”میں اپنے آنکھیں ھلکی رکھنا... میں شہباز کوئی اطراف سے گھینا چاہتا ہوں!“
”تو کیا اس قتل میں شہباز کا ہاتھ ہو سکتا ہے!“
”میں لیکن کے ساتھ نہیں کہہ سکتا بلکہ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے ملنے آیا
تھا۔ اگر خود اسے اپنی زندگی خطرے میں نظر آتی تو اس کا ذکر مجھ سے ضرور کرتا یا“
”کھلکھلی ہوئی بات ہے۔“
”وہ یہ قتل میرے لیے چلتی بھی ہو سکتا ہے۔“
”میں سمجھ گیا۔ آپ اس قتل کے توسط سے باضابطہ طور پر شکوہ آباد جاسکیں گے!“
”ضروری نہیں ہے۔ اپنے راستے کی اور کسی سپر و دھن کر سکتے ہیں کہیں یا“
”وہ لیکن آپ اسی پر اڑ جائیں گے کہ آپ اپنی جائیں گے!“
”وہ میرے پاس آیا تھا اور کسی بڑے جرم کی نشاندہی کرنا چاہتا تھا۔ بخیر... میرے
ساتھ آؤ۔“ فریدی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا یہ ذرا سلیٹھ راشد سے بھی دودو باتیں
ہو جائیں،“
دن کے دوں بجے تھے۔ سلیٹھ راشد گھر میں پر موجود تھا۔ صوفیہ سے ملاقات ہوئی اور

اُس نے بتایا کہ اُس انکشاف کے بعد سلیٹھ راشد پر دل کا دورہ پڑا تھا۔ ساری رات گھر والوں
نے جاگ کر گذاری۔
”آپ کیا یقینیت ہے؟“ فریدی نے پوچھا!
”وہ سور ہے ہیں۔ آپ انہیں فی الحال نہ چھڑیں تو ہمتر ہو گا میں آپ کے سوالات کے
جواب دے سکوں گی۔“
”بات پر اصل یہ ہے مس صوفیہ کہ شیرا فلکن صاحب صرف مجھ سے ملاقات کی غرض
سے یہاں آئے تھے۔“
”آپ سے!“ صوفیہ کے یونچیں حیرت تھی۔
”جی ہاں۔ اور انہوں نے قطعی اس کا ذکر نہیں کیا تھا کہ شہر میں ان کا کوئی رشته دار
بھی ہے!“
”بڑی بجیب بات ہے کہ آپ سے ملنے آئے اور قتل کر دیئے گئے... ابھر حال یہ ھلکی
ہوئی حقیقت ہے کہ فریدی سے ان کے تلقفات بہتر نہیں تھے۔ ورنہ وہ نیا گروہ کی بجائے
یہیں قیام کرتے ہیں شہر میں ان کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔“
”اور اس قتل کے سلسلے میں آپ کی گھر تھی اس طرح استعمال کی گئی!“
”آپ خود ہی فور فرمائیے!“ صوفیہ طویل سانس لے کر بولی۔ ”یہ قتل ہمارے سرمنڈھن کی
کوشش کی گئی ہے ورنہ بقول ہمید صاحب ایک لالتعلق رہ ہزاں کو تبریث نکال لے جانے کی کیا
ضرورت پڑی تھی؟“
فریدی کچھ نہ بولا۔ صوفیہ نے تھوڑی دیر بعد کہا ”چا شیرا فلکن اور فریدی کے درمیان کوئی
ایسا تفاہ عورتی نہیں تھا جس میں مال یا جائیداد کا دخل ہوتا۔ دادا کے دراثے کا بٹوارہ اسی طرح
ہوا تھا جیسے قانوناً اور شرعاً ہوتا چاہیے۔ کسی نے کسی کا پچھہ دبایا ہے کی کوشش نہیں کی تھی لیں
چا شیرا فلکن۔ فریدی کو فرتوں بے سامان کہتے تھے۔ اور ان کے مقابلے میں خود کو انسانی

قدروں کا حامل سمجھتے تھے تھے کہ میں کسی مخمور آدمی سے راہ ورثم نہیں رکھ سکتا خواہ میرا
بھائی بھی کیوں نہ ہو۔ اے!

”آپ لوگوں کا بڑاں شکوہ آباد میں بھی ہے!“ فریدی نے سوال کیا۔

”ہماری ایک بیٹی بھی ہے نا۔ اس کے لیے شکوہ آباد سے خام پڑھ آتا ہے۔ اسے
جوچاہے سمجھ لیجئے۔ اسی حد تک بڑش ہے!“

”شیر افغان صاحب کے کار و بار اور ان کے متعلقین کے بارے میں بھی جانپتا
چاہتا ہوں۔“

”مولیشیوں کی فارمنگ کرتے تھے خاصا بڑا کار بار ہے۔ سرتاپ انسانیت میں دو بی
ہوئے تھے اسیے ایک ایسی بیوہ سے شادی کی تھی جس کے ایک جوان بیٹا بھی تھا۔ خود
آن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔“

”تو اس کا پہلی طلب ہوا کہ اب وہی ماں بیٹے اُن کے کار بار پر قابض ہوں گے!“
و اگر قبیلی تے اپنا قانونی حق وصول کر لیا تو لازماً اب وہی دونوں ان کی املاک
کے مالک ہوں گے۔“

”لڑکا بھنی کے ساتھ رہتا تھا،“
”جی ماں... اور تمہیں ملنے والی اطلاعات کے مطابق وہاں جان بھی تھا،“
”دوسرا حصہ کیجئے۔“

”اول درجے کا آدارہ اور بد معاش۔ ایک فورس میں فلاںیٹ لفیٹنٹ تھا۔ وہاں
لچکھر کرت کی۔ نکلا گیا۔ اور سزا بھی ہوئی۔“

”اوہ!“
”بیٹے تو آج تک دیکھا بھی نہیں صرف نام سننا ہے!“
”کیا نام ہے!“

”نادر شجاع۔“ شکوہ آباد کے بننام افراد میں سے ہے۔ ادب ایشیان کی طرح
مشہور ہے۔“

”شادی کب ہوئی تھی شیر افغان صاحب کی...!“

”یہی کوئی دس بارہ سال پہلے کی بات ہے!“

جمیر نے معنی خیز نظروں سے فرپیسی کی طرف دیکھا۔ اُسے فریدی کی سنانی ہوئی کہاں
کا وہ حصہ یاد آیا جس میں چودہ سال پہلے کی کسی بیوہ کا ذکر تھا۔

”مس صوفی۔ اپنے ذمہ پر زور دے کر اس حملہ اور کے بارے میں بھی تو کچھ
تلاییے“ فریدی نے کہا۔

”سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتی ہوں کہ ایک خاصا بیان تذکرہ کا آدمی تھا! اور ظاہر
ہے کہ خاصا طاقتور بھی تھا۔ درستہ ایک گھوشنے میں...!“

وہ جگد پورا کئے بغیر خاموش ہو گئی۔ پھر یک بیک چونک کو بولی ”نادر ایر فورس
میں تھا! پیر اشوٹ کے استعمال سے بجنبی واقف ہو گا!“

فریدی کچھ نہ بولا۔ صوفیہ کے چرس سے دیا ہوا ساجوش ناہر ہو رہا تھا جیسے
بہت دور کی کوڑی لانے پر اپنی فرنی صلاحیت کی داد چاہتی ہو۔ لیکن فریدی نے
موضوں سے ہٹنے ہوئے سوال کیا۔ راشد صاحب پہلی بار دل کا دورہ پڑا ہے!“

”جی نہیں وہ مستقل طور پر دل کے مریض ہیں!“

”اب شیر افغان صاحب کا پرستہ بھی لکھوا دیکھنے تاکہ اُن کے متعلقین کو اطلاع دی
جا سکے۔“

”وہ تویں لکھوا دوں گی لیکن یہ بتائیے کہ وہ آپ سے کیوں ملنے آئے تھے۔“

”یہ تو ہمیں معلوم ہو سکا! پہلی ملاقات سسری تھی۔ گفت و شنید کی دوسری ملاقات
پڑھری تھی۔ لیکن انہیں اس کا موقع نہ مل سکا!“

”اور بھروسہ بیوہ والی بات۔“

”د اُس نے تو کہا تھا کہ وہ چودہ سال پہلے کی کسی ایسی بیوہ سے واقف نہیں ہے جس پر شہریں کوئی عستم طوراً ہوا۔“
”د اگر یہ نادرِ شجاع آس کے بتائے ہوئے ہیں پر پورا اُنڑا تو۔“
”د دیکھا جائے گا۔“

تھوڑی دیر بعد گاڑی موڈل ٹاؤن کی ایک عمارت کے سامنے روکی تھی۔ حمید جانتا تھا کہ وہ بھی اپنی عمارتوں میں سے ہے جہاں فریدی کی ضرورت کا بہتر اسامان رہتا تھا اور وہ گھر پر اپنے فرستے سے الاطر رکھے بغیر بھی اُندھرے صورتی معاملات وہیں پشتی تھا۔
”آب سرحد پار روانگی تک تھا اقسام ہیں رہے گا،“ فریدی نے عمارت کے اندر پہنچ کر کہا۔ ہمیں میں تھیں می پی بناؤں گا۔“

”د اتنی جلدی... گناہ بخشوائیتے کی تو جمیلت دی ہوتی۔“
”وقت کم ہے۔ تم قاسم کے پاس ہی ہی کے میک اپ میں جاؤ۔ یہاں ایک انسٹینٹ کیڑہ بھی موجود ہے اُسے ساخت لے جانا اور قاسم کی تصویریں اُنثار لینا۔ پاسپورٹ اور ویزا کے لیے۔ ہماری تصویریں میں خود بناؤں گا... اور کل صبح ہمک تھیں پاسپورٹ اور ویزا مل جائیں گے۔“

”د جیسی آپ کی مرضی۔“
”د سرحد پار پہنچ کر جو کچھ کرنا ہو گا اس کے لیے تحریری ہدایات میں کی...“
”د او کے باس!“

صوفیہ نے حمید کو شیر افگن کا پہنچا کھوایا اور فریدی اُٹھتا ہوا بولا۔ ”آب اجازت میری طرف سے راشد صاحب کی مزاج پُرسی کیجئے گا۔“

”د مجھے ہے! مجھے حملہ آور کے بارے میں کچھ اور بھی باد آ رہا ہے!“

”د یہ تو بڑی اچھی بات ہے!“

”د اس کے پاس سے کچھ اس قسم کی بُواری کی جیسی چٹپاگھریں بھیڑیوں کے کہر س پاس کو سمجھ رہتی ہے۔“

”د اُوہ اچھا۔ یہ ایک بہت ہی خاص علامت ہوئی۔ بہت بہت شکریہ میں صوفیہ پر مزید زور دینے کی کوشش کیجئے ہوئے!“

”د کیپشن حمید صاحب مجھے بہت دنوں سے جانتے ہیں۔“

”د اسی لیے تو آپ کی گاڑی دیکھتے ہیں یہ چان لی تھی۔ ورنہ پتہ نہیں کہاں کہاں سر پا پڑتا۔“

”د مجھے صرف ڈپٹی کی وجہ سے تشویش ہے! اُن کی صحبت اس قسم کے ہیجان برداشت نے کی پوزیشن میں نہیں ہے!“

”د میں سمجھتا ہوں۔ آپ انہیں میری طرف سے اطمینان دلا دیکھنے کا ایک ہمک تو ایسا ہر اس کو فی ناکردار گناہ میرے ہاتھوں سزا کو پہنچا ہوا۔“

”د آپ کدھر۔“ حمید نے گاڑی میں میکھے وقت پوچھا!
”د آپ اُدھر۔ ہماری مرمت ہوئی۔“ فریدی نے کہا اور گاڑی حرکت میں گئی۔

”د نادرِ شجاع والی بات قابل غور ہے!“ حمید نے کہا۔
”د کس حیثیت سے!“

”د وہ اپریورس میں تھا۔ لمنڈا پیر اشوٹ...!“
”د کافی ثبوت نہیں ہے۔ بہر حال اس پہلو سے بھی خور کیا جا سکتا ہے!“

قاسم کبھی گیٹسار بجانے کی کوشش کرتا اور کبھی سرپیٹنے لگتا کہ حمید کے چکریں پڑ کر یہ کیا کر بیٹھا ہے۔ نہ گھر والیں جاسکتا تھا اور نہ قاتلی صاف کر اسکتا تھا۔ دل میں اس لیے اب رکھنی پتی کہ بیوی کو جلانے کے کام آئے گی۔ اور گھر اس لیے نہیں جا سکتا تھا کہ ظالم باپ دوچار جام سامنے کر پہنچ جائے گا۔ اسی طرح بیٹھا جل کر طھ رہا تھا کہ کسی نے دروازے پر دشک دی۔

”قون ہے!“ بھتنا کر دہرا۔

”روم سروس جناب۔!“

”ارے باپ رسے!“ کہہ کر قاسم نے دونوں ہاتھوں سے کلیچ دبایا پھر مردہ

سی آواز میں بولا۔ ”آجاو!“

دروازہ کھول کر شریف اندر داخل ہوا۔

”لاڈ جناب۔!“ اس نے کہا۔

”من نہیں... ابھی نہیں... میں اپنا چورن کاٹ دیہ گھر بھول آیا ہوں یا قاسم

نے بکھلا کر کہا۔

”چورن کاٹ دیہ۔!“ شریف کے لیجے میں ہیرت پختی۔

”آسمے ہاں!“ قاسم کھسپیانے انداز میں بولا۔ ”قبھی قبھی عورتوں کو دیکھ کر

مشتی بھی ہونے لگتی ہے... اس لیے چورن کاٹ دیہ۔!“

”متلی۔“ شریف ہنس کر بولا۔ ”ارے نہیں صاحب!“

”قیا میں بھوٹ بول رہا ہوں!“ قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

”میرا یہ مطلب نہیں تھا لیکن آپ جذبات کے بیجان کو تو متی نہیں سمجھتے!“

”اسے ہوتا ہونا کچھ تھا مطلب... بس کہہ دیا جب چورن کاٹ دیہ آجائے

غا۔ تب...!“

”و خیر۔ سگرٹ تو نہیں چاہیں...!“

”و لاو۔ دیدو۔!“ قاسم جیب سے پرس نکالتا ہوا بولا۔

”و اکھٹے دوپنکٹ لے لیجئے۔!“

”و دس بھی ہوں تو دے دو!“ قاسم پکڑ کر بولا۔

”و نہیں صرف دوہی ہیں اس وقت۔!“

قاسم نے دس دس کے چار فٹ اس کے ہاتھ پر کھد دیئے اور اس نے دو

پنکٹ ہوا لے کرتے ہوئے کہا ”جب چورن کاٹ دیہ آجھے تو مجھے مطلع فرمادیجئے گا!“

”و پھر ما دوں گانعا۔ آب جاؤ۔!“ قاسم ہاتھ ہلا کر بولا۔

وہ چلا گیا۔ لیکن فتوڑی ادیر بعد پھر دشک ہوئی۔

”آبے اتنی جلدی قیسے آجھے کاٹ دیہ۔!“ قاسم جھلکا کر دہرا۔ لیکن دشک پھر ہوئی۔

”ہت تیرے کی!“ قاسم بھتنا کر ٹھٹھا اور دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس

بارا یک ہپتی دکھانی دیا۔

”مجھے کیپٹن حمید نے بھجا ہے!“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”اچھا۔ اچھا۔ آجاو۔!“ قاسم جلدی سے پچھے ہٹتا ہوا بولا۔

ہپتی اس کے کہے بغیر سامنے والی کرنٹی پر بیٹھتا ہوا بولا!“ کوئی لونڈیا وغیری

ساختہ نہیں ہے کیا!“

”ہو جائے غنی... وہ بھی ہو جائے غنی۔!“ قاسم نے بڑے خلوص سے کہا۔

”چرس پٹو گے۔“

”یہ کیا بد تیزی ہے۔!“ ہپتی نے آنکھیں نکال دیں۔

”لک... تکیسی بد تیزی...!“ قاسم بکھلا گیا۔

”اتنی بد تیزی سے اُن حمیدہ کا نام لیتے ہو۔ یوں پوچھو نور اتارو گے حلتی سے...!“

”ہی بی بی ہی... چلر بی بی ہی۔“ کہہ کر قاسم نے تینوں پیکٹ نکالے اور اس کے سامنے رکھ دیئے۔ پیٹی نے اپنے پیکٹ سے انسٹینٹ کمہ نکالا اور قاسم پوز دینے کی کوشش میں سے بولا: ”کیپشن محبیت نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم سچے چرس پینے لگو...“

”لانٹ ہے پینے والے پر... وہ سالاروم سروں والا زبردستی گلے لگا گیا ہے!“ بیس بیس روپے کے پیکٹ۔“

”بیس روپے رکھے رہو۔ پینا مدت درستہ سرنجھے ہو گا اور ٹانکیں اُپر۔“

”بہت اچھا لینقون محبید بھائی کہاں ہیں!“

”وہ دہیں مل جائیں گے جہاں ہم دلوں کو جانا ہے...“

”قہاں جانا ہے...!“

”سرحد کے پار جہاں سے ہلپیوں کے قافلے ادھراتے ہیں!“

”اچھا اچھا!“

”میں تمہاری تصویریں ہمچیزوں کا پاسپورٹ کے لیے...!“

”جرور جرور...!“ قوم بھی ساختہ چلو گے۔“

”ہاں میں بھی ساختہ چلوں گا۔!“

”تم بھی چرس نہیں پینے۔!“

”وہ نہیں۔ قطعی نہیں...!“

”اچھا اچھا تجھے عیناً...!“ قم بھی لوندیاں بی بی ہو۔!“

”یہ لوندیاں کیا ہوتا ہے!“

”صرف لوندیوں والے بی بی۔ چرس والے نہیں!“

”بے فائدہ بکواس سے کیا حاصل... یہ باہیں تھی نہیں جاتیں!“

”بہت اچھا تم کھینچو تصوری۔ دیکھا جائے گا۔“

”بی بی نے اپنے پیکٹ سے انسٹینٹ کمہ نکالا اور قاسم پوز دینے کی کوشش میں آزمودت قدم کا کوئی آدمی معلوم ہونے لگا۔“

”ابھی یہ عمل جاری بی تھا کہ دروازے پر پھر دستک ہوئی۔“

”آبے آب قون ہے!“ قاسم غریباً۔

”روم سروس جناب!“ باہر سے آواز آئی۔ قاسم کچھ کہنے لگی والا تھا کہ فودار بی بی نے ہونٹوں پر انگلی روک کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اور خود دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ پھر اس نے یکدم سے دروازہ کھولا تھا۔

ویٹر کے سچے ایک غیر ملکی بیتی لوڈ کی کھڑی نظر آئی۔ اُس کے لمبے اور سنہرے بال شانوں پر کچھرے ہوئے تھے! بڑی آنکھوں اور اُس سے چھرے والی یہ سفید فام لوڈی بڑی دلکش لگ رہی تھی۔

اجنبی بی بی کو سامنے دیکھ کر شریف گٹرٹا گیا!

”وہ ان صاحب کی فرماش پر۔!“ اس نے قاسم کی طرف انگلی اٹھا کر کہا:

”اندر آ جاؤ!“ بی بی نے کہا۔ قاسم ہونقوں کی طرح منہ کھو لے بیٹھا تھا۔

”چورن کے ڈبے کے بغیر بھی کام چلے گا صاحب!“ شریف نے قائم سے کہا اور اُس نے صرف منہ بند کر لیا اور بی بی کی طرف دیکھنے لگا!

”سب ٹھیک ہے!“ بی بی نے اُس سے تشغی وی!

”یہ بیماری بالکل مفلس ہو گئی ہے!“ شریف نے کہا ”چرس اور پیٹ بھر کھانے کے علاوہ اور کچھرے چاہیے... لیکن میرے پانچ سور روپے ہوئے اور ہوٹل کے ڈریٹھ سو۔“

”انجیشن تو نہیں لیتی!“ بی بی نے پوچھا۔

”ہم کل سہ جنپارفلانی کریں گے!“
 ”حضور کرنا!“
 ”مطلوب ہے تم بھی چلوگی!“
 ”کیوں نہ چلوں گی!“
 ”مہماں کوئی ساختی بھی ہے!“
 ”مان کے پیٹ سے تھا آئی تھی...“
 ”دیہ سالا مال کا پیٹ قہاں سے نقل کیا ہے؟“ قاسم اردو میں بڑھ رہا۔
 ”پاسپورٹ ہے!“
 ”دہ کیوں نہیں!“
 ”نکالو۔ دینا بغاؤں گا!“

اُس نے ٹھیکیں باختہ ڈال کر پاسپورٹ نکالا اور ہمی کی طرف پڑھا دیا سگرٹ ختم ہو چکا تھا اس لیے اُس نے اُن دونوں کی طرف بھی فوجہ دی اور دونوں کا تقضیہ جائزہ لینے کے بعد بولی ”تم دونوں بہت مالدار معلوم ہوتے ہو یا لیکن انہوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر سبی اٹھتا ہوا بولا ”میں شام تک والپس آؤں گا...!“
 ”اور یہ... اور یہ!“ قاسم سہکلا کر بولا۔
 ”میری واپسی تک یہیں رہے گی...“
 ”بچ... چورن کاڑیہ!“
 ”والپس میں لیتا آؤں گا...!“
 ”ارے سنو تو...!“ قاسم بے بسی سے باختہ پلا کر رہ گیا۔ کیونکہ وہ تو یہ نکل گیا تھا آخر اُس نے ٹھوگ نکل کر لڑکی کی طرف طرف دیکھا جواب ٹھیکیے سے ایک کتاب نکال کر

”میں نہیں جانتا! خود پوچھ لیجئے!“
 ہمی نے انکش میں لڑکی سے یہی سوال کیا۔ اور اس نے نفی میں سر بلادیا لیکن سگرٹ کے اشارے سے سگرٹ طلب کی تھی۔ حیدر نے میز پر کھے ہوئے پیکٹوں میں سے یہ اخخار اُسے تھما دیا اور اُس کے چہرے کی ادا سی نیکخت کافر ہو گئی۔ بڑے چاؤ ایک سگرٹ سدگا کر طویل کش لیا اور سگرٹ کے پیکٹ کو پیار سے دیکھنے لگی۔
 ”ادائیگی کرو!“ ہمی نے قاسم سے کہا۔
 ”لیقن چورن کاڑبہ!“
 ”لڑکی اپنا تھیلا فرش پر کر کر اسلام کوئی پریم دراز ہو گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کے سگرٹ کے علاوہ اُسے اور کسی چیز کی پرواہ نہ ہو۔
 ”کیسا چورن کاڑبہ!“

”جناب! یہ کہہ رہے تھے کہ عورتوں کو دیکھ کر کبھی کبھی متلی بھی ہونے لگتی ہے۔ ملاؤ نہ کہا“
 ”اس لیے گھر سے چورن کاڑبہ مٹکوائے بغیر معلمانے کی بات نہیں کریں گے!“
 ”ہمی کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ قسم کی مسکراہت بنوادا ہوئی تھی... اُس نے قاسم کا شانہ تھیک کر کہا ”چندن کاڑبہ بھی آ جائے گا۔ تم ادائیگی کرو!“
 ”قاسم نے سارٹھے چھسوکے نوٹ نکالے اور ویٹر کو تھما دیئے۔ وہ اُسے فرشی سلام کرتا ہوا رخصدت ہو گیا۔
 ”تم کہاں سے آئی ہو؟“ ہمی نے لڑکی سے سوال کیا۔
 ”مان کے پیٹھی سے!“ اُس نے سگرٹ کے مشتعل سرے پر نظر جائے ہوئے جواب دیا۔
 ”بخارے سا تھر ہو گی!“
 ”کیا مصلائف ہے!“

اُس میں بھوپالی تھی۔!

فَاسِمْ نے پہلے توانات نکالے پھر سختی سے ہونٹ بھیج کر بیٹھا گیا۔ لڑکی کے انداز سے
یہ معلوم ہوتا تھا ہیسے و میں کسی دوسرے کی موجودگی کا حساب ہی نہ ہوا۔

فَاسِمْ اٹھ کر فون پر روم سروس کو لکھا کہ تھا؟ "شریف کو بولاو۔"
"جی صاحب، ایں ہی بول رہا ہوں!"

"بس نونڈریا پکڑا کر جائیتے بنے... مجھے بخوبی لگی ہے! دوستم رائیں ڈبل بکرے والی...
ورایک بڑا والا چکن فرنی..."

"بہت بہتر جناب۔ ابھی حاضر کرتا ہوں!"

فَاسِمْ رسور کھر کر مڑا تو لڑکی بولی، "مجھے نزوادن کی تلاش ہے!"

"ضرور مل جائے گا!" اس نے کہا۔

فَاسِمْ انگریزی روانی سے بول سکتا تھا۔ لیکن اردو حلقوں میں ہنسنے لگتی تھی انگریزی
یا تلفظ بھی صحیح کرتا تھا۔ اور یہ کوئی انوکھی بات بھی نہیں تھی۔ بہترے ایسے ہیں کہ
انگریزی میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوتے ہیں۔ لیکن یہ اردو ایں کامیڈی مزق کر دیتی ہے
جس پچھے مقرر ہوں میں بھی کوئی اردو کے مارے ہوئے نظر آ جائیں گے۔ بیجا رے کہنا
پڑ جاتے ہیں۔ لیکن زبان سے کچھ نکلتا ہے اور عوام جو زیادہ تر باтол کے رسیا ہوتے
ہیں۔ بھی تو مختلف ہوتے اور کبھی دوڑا لیتے ہیں۔

تو بے چارہ فَاسِمْ بھی اسی بینا کاما رہا تھا۔ پہنچنے بچوں میں لگز را تھا جو
پیتا چلا گا" معلوم چلا، "بولتے تھے اور گھر پر باو جان تلفظ" کے معاملے میں ہلاکو خان
ن جلتے تھے۔ نیچر ہوا کہ پہلے تو گھر اور بامہر کی اردو گٹ مٹ ہوئی اور پھر ڈنڈے خان نے
منفذ کی بھی ایسی کی تیسی کرکے رکھ دی۔ ظاہر ہے کہ ایسے میں ذہنی نشوونما توباری ہی
باقی ہے۔

بہر حال یہ تھے قاسم صاحب۔!

"و تم نزوادن کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" لڑکی نے پوچھا!

"اچھا خاصا ہوتا ہے۔"

"تم کچھ بھی نہیں جانتے۔"

قاسم خاموش ہی رہا۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی اور تالو شنک ہوا جا رہا تھا
لڑکی نے پیکٹ سے دوسرا سٹرٹ نکلا اور اسے سلگانے لگی... قاسم کم کم بھی
دیکھتا رہا۔ اُسے یہ لڑکی کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔ روشنی نونڈیا، تو بالکل نہیں معلوم
ہوتی تھی۔!

"اُخڑ مقصد کیا ہے؟" اس نے کش میں کہا۔

و د کس کا مقصد؟" قاسم بخوب نگل کر بولا۔

"اُسی کا۔" اس نے اشارے سے قاسم کا سراپا ناپتے ہوئے کہا۔

قاسم نے سوچا بڑے چھپتے... یہ سالا حمید کا بھیجا ہوا، پتی بھی ایک ہی حرامزادہ
نکلا۔ اس دبالت کو اس کے سرمار کر خود چلتا بند سالے نے چورن کے ڈبے والی بھی نہ
سُنی۔ ابے حمید سالے کیتے۔ خدا تھے غارت کرے گھر پر بیٹھے بیٹھے ہی جان جلا گئے
رہا ہے۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" لڑکی پھر بولی۔

"مجھے بخوب لگی ہے!"

"بخوب تو مجھے بھی لگی ہے!"

"دیں نے تمہارے لیے مُرغِ مسلم منگوایا ہے!"

"مُرغ نہ ہو یا اُبئے ہوئے آکھوں۔ میرے یہ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پیٹ بھرنے
سے مطلب۔"

قاسم نے سوچا تب تو سستی پڑی ہے۔ مگر سالی ساخٹ رپے کی چوری کیے ایکسے پیجا گئی۔

”اچھا تو تک گیشہ سناؤ۔“

”تمہارے نپے نہیں پڑے گا۔ انگلش دھین نہیں بجا سکتا!“

”اپنی ہی سناؤ!“

قاسم نے بوکھلا کر گیٹار پر باختہ مارا۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی اور دونوں اس طرف متوجہ ہو گئے۔ ویٹرنے خود ہی دروازہ کھولنا اور کھانے کی طرزی و حلیکتا ہوا اندر داخل ہوا۔

دو مسلم رانیں اور ایک مرغ دیکھ کر لڑکی بولی ”یہ کتنے افراد کا کھانا ہے؟“

”میرا اور تمہارا!“

”میرے یہے بس مرغ کی ایک ٹانگ کافی ہو گی اور تم اتنا کھاؤ گے؟“

”ماں کچھ سعادت ہو جائے گا۔ ابھی پچ کا وقت ہی ہماں ہوا ہے!“ قاسم نے کہا اور ویٹر پر گایا ”تم کھڑے منہ کیا دیج رہے ہو دکھا ہو جاؤ!“

وہ چلا گیا۔ قاسم نے ایک ران آٹھائی اور ادھیرنے لگا!

”تم میری سمجھ میں نہیں آئے!“ لڑکی نے جرت سے کہا۔

”کھاؤ... کھاؤ... مجھے سمجھ کر کیا کرو گی؟“

”ماں اور کیلہ۔ یقینہ دنیا کب سمجھ میں آئی ہے!“ لڑکی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور سمجھری سے مرغ کی ٹانگ کاٹنے لگی۔

”تمہارا نام کیا ہے؟“ قاسم نے ڈرتے ڈرتے پھلاسوال کیا۔

”کار سیکا... تم سکی کہہ سکتے ہو۔ اور تمہارا نام!“

”قاسم...“

”اچھا نام ہے۔ ویسے تم صرف دیکھتے ہیں میں دیکھنیں ہو۔ دیکھوں کی طرح کھلتے بھی ہو۔“
 ”اتنے میں پیٹ نہیں بھرے گا... دوسروں کے سامنے کھلتے ہوئے شرما ہوں۔ اس لیے تھوڑا سا بیٹھوایا ہے۔!“
 ”وہ تھوڑا سا ہے“ وہ مرغ کی ٹانگ پلیٹ میں رکھ کر کھڑی ہو گئی۔
 ”بیٹھو۔ بیٹھو۔ کیوں پر لشیان ہو پتی ہو۔!“
 ”پر لشیان ہو رہی ہوں۔ ارسے میں پاگل ہو جاؤں گی۔“
 ”نہیں ہو گی۔ بیٹھ جاؤ۔ میرے پاس بہت رقم ہے۔ تمہارا بھی کام چلے گا اور میرا بھی۔!“
 ”وہ بیٹھ گئی۔ لیکن جرت سے قاسم کو دعیتی رہی۔ مرغ کی ٹانگ بھی نہیں اٹھائی تھی۔

شکوہ آبا کے ایسی پیکا دفتر کیا تھا اچھا خاص انگار خانہ تھا۔ دیواروں پر زیادر تم کی پیشگفت آؤیزاں تھیں اور جگہ جگہ نوادرات رکھے ہوئے تھے۔ لیکن خود ایسیں پنی شہزاد اڑست کی بجائے پہلوان لگتا تھا۔
 پورا دھم ہوئی تھی مونچیں۔ سرخ سرخ آنکھیں۔ پیشانی کی سلوش کسی وقت بھی صورت نہ ہوتی... اچھے اچھے مقریبی اُس کی شکل دیکھتے ہی میکلا نے لگتے تھے۔
 اس وقت شکوہ آبا کا ایک معوز آدمی اس کے سامنے دم بخوبی بیٹھا تھا۔ اور شہزاد اُسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے کچا چبا جائے گا۔!
 دفعتہ اس نے کہا ”مجھے ابھی تک اپنی بات کا جواب نہیں ملا ناصر خاں!“
 ”بیس کیا ہوں۔ علاوه اس نکے کہ میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں!“

”میرے پاس اس کا واضح ثبوت موجود ہے کہ تم نے ایک ہفتہ پہلے شیراںگن کو دھمکیاں دی تھیں؟“

”مجھے اس سے کب انکار ہے! لیکن اس کے قتل میں میرا بات ہرگز نہیں ہے!“
”و کس بات پر جھکڑا ہوا تھا؟“

”اُس کے فارم کے تین مویشی غائب ہو گئے تھے! اور وہ چوری کا الزام میرے ملازموں پر رکھ رہا تھا!“

”اور تم آپ سے باہر ہو گئے؟“

”کیا میں اتنا کام جیشیت ہوں کہ مویشی چوری کا ذلیل گا!“

”تمہارا بڑا بیٹا ایر فورس میں ہے نا۔!“

”جی ہاں...!“

”یعنی پراشوت کے استعمال سے کما حق و اتفاق ہے!“

”آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟“

”وہی جو تم سمجھ رہے ہو!“

”میں کچھ بھی نہیں سمجھ رہا!“

”خیر... خیر... تھا دلیشا آج کل چھٹی پر آیا ہوا ہے!“

”آیا تھا... اپنی نانہبال کیا ہوا ہے...!“

”یعنی یہاں موجود نہیں ہے... خیر... مجھ سے یہ بات چھپی نہ رہ سکے گی کہ وہ شیراںگن کے قتل والے دن بھی نانہبال ہی میں تھا! اکیں اور...!“

”آپ ضرور معلوم کیجیے...!“

”معلوم کر چکا ہوں ناصرخان...!“ شہباز نے طنزہ بیہمی میں کہا اور میر پر کھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ اردنی دفتر میں داخل ہوا۔

”اُن سپاٹریم کو بھیج دو۔!“ شہباز نے اُس کی طرف دیکھ بیٹھ کر کہا اور وہ چلا گا۔
”کیا وہ وہاں موجود نہیں ہے؟“ ناصرخان نے مروہ سی آداں میں پوچھا۔
”اُبھی معلوم ہو جائے گا،“ شہباز نے کہا اور بُرا سامنہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

انتہی میں ایک سب اسپکٹرنے دفتر میں داخل ہو کر سلیوٹ کیا۔

”اسپکٹر تم علی آباد گئے تھے۔ کیا معلوم کیا؟“

”لفیٹنٹ داؤن نے وہاں صرف ایک دن قیام کیا تھا۔“

”اس کے بعد کہاں گیا؟“

”اُن کے ناتانے اس سے علمی ناہر کی تھی۔“

”بس جاؤ۔!“

سب اسپکٹر چلا گیا اور شہباز سفاک سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا ”اب کیا کہتے ہو؟“

”آپ اگر اس طرح انجھانا چاہتے ہیں تو یوہی سہی۔!“

”بہر حال تم انکار ہی کرتے رہو گے۔!“

”آپ مجھ سے کسی ایسی بات کا اعتراف نہیں کر رکھتے جس کا تعلق مجھ سے نہ ہو۔!“

”میں نے کہا تھا بتاؤ دا در کہاں ہے؟“

”میں نہیں جانتا اگر وہ علمی آباد میں نہیں ہے۔!“

”مجھے تم سے کوئی اعتراف نہیں کرنا۔ اعتراف تو دا در کرے گا۔ مجھے اُس کا پتا بتاؤ۔“

”میں نے کہا دیا کہ میں نہیں جانتا۔ سیلانی طبیعت کا ماک ہے چھٹیوں میں

سیں بک کر نہیں بیٹھتا۔!“

”مجھے تشدید پر مجبور نہ کرو۔ ناصرخان۔!“

”میں بھی چھان ہو شہباز خاں! مجھے دھملی نہ دو۔!“

”یہ بات ہے؟“ شہباز میز رجھک اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”ایک مفرور قاتل کی پرودہ پوشی بھی کرو گے اور آنکھیں بھی دکھاؤ گے۔“
ناصر خاں نے سختی سے ہونٹ بھینچ یہے۔ شاید اس یہے کہ کہیں کچھ اور بھی زبان سے نہ نسل جائے۔

شہباز خاں نے میز پر کمی ہوئی گھٹنی بجائی اور ارعی پھر اندر واخل ہوا۔

”فلائیگ اسکوڈ کے جوانوں کو بھیج دو۔“ ایں پی نے اس کی طرف دیکھ لیا
اروپی چلا گیا اور شہباز، ناصر خاں کی طرف سے منہ پھرے بیٹھا رہا۔ حکورڑی دیر بعد دو قومی ہیکل جوانوں نے اندر واخل ہوا رہا سے سیلوٹ کیا۔

”خان ناصر خاں کو تفریخ کراؤ اور پھر گھر حکورڑی اور شہباز نے ان سے کہا۔“
”تت تفریخ کا کیا مطلب ہے؟“ ناصر خاں آہستہ سے بولा۔

”تفریخ کا مطلب تفریخ ہے خان بھائی تھے تم بہت دیر سے بتایا کہ تم بھی پھادہ ہو۔ لہذا اب تمہارے شایان شان برنا تو کیا جائے گا؟“

”خدا شاپر ہے میں نہیں جانتا کہ داور کہاں ہے؟“

”تمہیں اس سے اس کے بیٹھے داور کا پتا معلوم کرنا ہے...“ شہباز نے دوفر جوانوں سے سرو پہنچ میں کہا۔

دونوں آگے بڑھے اور ناصر خاں کو چھنج کر کیسے اٹھا دیا۔

”یہ ظلم ہے...“ ناصر بے لسی سے چھپا۔ محترم ادمی تھا۔ اُن جوانوں سے طاقت آذانی کی تاب نہیں رکھتا تھا۔

دونوں اسے گھسیتہ ہوئے باہر لائے اور ایک جیپ پر بیٹھا دیا اور خود بھی اچیل اچیل کراؤ کے دونوں اطراف میں بیٹھ گئے۔ تیسرا جوان اسٹینگ پر تھا اس نے الجن اشارت کیا اور جیپ حرکت میں آگئی۔

”تم مجھے کہاں لے جا رہے ہیں، مو۔“ ناصر نے اُن سے سوال کیا۔

”چکے بلیٹھے رہو!“ ایک جوان اُس کے پہلو میں کہنی مار کر بولा۔

جیپ ایک دیران سڑک پر آنکھی غصی اور اُس کا رخ دیرا نے ہی کی طرف تھا۔

ناصر خاں سختی سے ہونٹ بھینچ بیٹھا رہا۔ اُس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا اور آنکھوں سے

ترینی اشارت کی سی کیفیت تباہہ ہوئی تھی۔

کمی میل کافاصلہ طے کرنے کے بعد جیپ نے سختہ سڑک پھوڑ دی اور بائیں جانب کچے ہیں اُتر گئی۔... یہ ایک چھوٹا سا میدان تھا جس پر چھوٹے چھوٹے نیکی پھر

چھے ہوئے تھے!

جیپ رک گئی اور ناصر خاں سے اُترتے کو کہا گیا۔...

”یہ تم لوگ مجھے کہاں لائے ہو؟“ ناصر خاں نے گھٹی گھٹی سی آواز میں پوچھا!

و تفریخ کے لیے خان!“ ایک جوان ہنس کر بولा۔

”ہاں یہ بہت بڑا خاں ہے۔ اس نے تفریخ بھی بہت بڑی ہوئی چاہیے!“

سر بوللا۔

ٹرائیور نے اپنے پیروں کے قریب پڑا ہوا تھا اور زمین پر ڈال دیا۔

”یہ... یہ کیا ہے؟“ ناصر خاں برقفت بوللا۔

”اُجھی دیکھی ہو گئے خاں۔ ورنہ بہتر یہ ہو گا کہ اپنے بیٹے کا پتہ بتا دو۔“

”تم لوگ تو میری بات کا بیقین کرو۔ میں نہیں جانتا...!“

”نکرنا کرو۔ ہمیں روزانہ ایسے لوگوں سے پشاپڑتا ہے جو کچھ نہیں جانتے سکیں

سچ نہیں سب کچھ بیاد آ جاتا ہے!“

”و انتہا دیکھنے اور سستے والا ہے!“ ناصر خاں کر رہا۔ اُس کے ہونٹ کا پر ہے

تھا اور آنکھیں دھندلی پر ڈگی تھیں۔

ایک جوان رسمی کا لپچا کھوئتے رکا اور دوسرا نے ناصرخان سے کہا درا ب
بھی بہتر ہے بتا دو۔ ورنہ تمہاری چیزیں اس دیرانے میں گنجائی رہیں گی یا“
”اگر جانتا ہوتا تو ضرور بتا دیتا۔ لفظیں کرو۔ اگر اس نے قتل کیا ہے تو میں اُسے
تلش کر کے قانون کے حوالے کر دوں گا۔“
”تم کہاں تکلیف کرو گے میں ہمیں بتا دو۔ اتنا ہی کافی ہے ہا۔“
”میں کس طرح تھیں اپنی علمی کا لفظیں دلائیں یا“
”کوشش کرو۔“

”وقت نہ برباد کرو بیار و ففرع مشرع کر دو۔“ قرائیوں نے کہا۔ وہ سیٹے
ہمیں اڑا تھا۔
دفعۃ ایک نے ناصرخان کو زین پڑھاڑ دیا۔ اور دوسرا رسمی سے اُس کے
دونوں پاٹھ باندھنے لگا۔
”یہ کیا کر رہے ہو؟“ ناصرخان حلق کے بل جیجا!
”ابھی معلوم ہو جائے گا۔“

اُس کے دونوں پاٹھ باندھ دیتے گئے۔ اور رسمی کا دوسرا باب بڑا
حصے سے باندھتے ہوئے اُس جوان نے کہا ”میں نے سُنا ہے خان کہ تمہارا باپ بڑا
آدمی تھا۔“

”میرا باپ جا بر تھا۔ میرا بھیسا قاتل ہے۔ لیکن میں نے کیا کیا ہے؟“
”یہ ایس۔ پی صاحب جانیں۔ ہم تو حکم کے بندے ہیں ہا۔“
”دفعۃ جیپ اشارت ہوئی اور آہستہ آہستہ چلنے لگی۔ ناصرخان بکیدے پھر والد
اور ناصلہ اہواں کے ساتھ خاموشی سے گھست رہا تھا۔ دونوں جوان ہمپتے نکارہتے تھے
”یہ نہ لعلم ہے!“ ناصرخان جیغا۔ اور ان کے تھے پہلے سے زیادہ بلند آہنگ بڑے

بیک اسی وقت ایک لینڈ رو ریٹک پر رکی۔ اور اُس پر سے تین آدمی
اُن کو میدان کی طرف بڑھنے لگے۔ جیپ میدان میں چکر لگا رہی تھی۔
دونوں جوان نو خار دوں کی طرف متوجہ ہو گئے اور ایک نے کوڑل کر لیا۔
”اوہ رآنے کی اجازت نہیں ہے...!“
لیکن وہ بڑھتے ہی چلے آئے۔ ان میں سے ایک بہت وجہہ تھا اور انتہائی تو ناسعدی
بنتا تھا۔
”یہ کیا ہو رہا ہے؟...!“ اُس نے اُن کے قریب پہنچ کر پوچھا!
”تم سے مطلب اپناراستہ تو۔ شاید اوہر کے نہیں معلوم ہوتے۔!“
”ہم سیاح ہیں! لیکن... یہ کیا ہو رہا ہے۔ اس سے کہو کہ کاڑی روک دے!“
”تم لاث گورنر ہو۔ چلو ہیاں سے ورنہ بٹ رسید کروں گا،“ وہ رانفل کندہ
ٹھاکر بولा۔
لیکن دوسرا ہی لمحے میں اجنبی کے دونوں ساختوں نے روپورنکال لیا۔
”تم دونوں اپنی رائفلیں زین پڑوال دو ورنہ ختم کر دیے جاؤ گے؟“ اجنبی نے فری
کتے کہا۔
اُن دونوں نے پوکھلا کر رائفلیں زین پڑوال دیں۔ شاید اس کے لیے تیار نہیں
۔ خنطاری طور پر رائفلیں ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی ہیں۔

اجنبی آہستہ آہستہ چلنے والی جیپ کی طرف بڑھا۔ ڈرامپور نے شاید اس نے
حصے کو دیکھ لیا تھا اس نے جیپ روک دی اور یخے اسٹرایا۔ یہ بھی باور دی تھا۔
”اسے کھوو!“ اجنبی نے ناصرخان کی طرف اشارہ کیا جس کا چھرہ ہوا ہیاں ہو رہا
تھا۔ وہ سڑھاتے ہیں اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے صرف دیکھ ہی رہا ہو۔ چھوٹ سوچنے
کی صلاحیت باقی نہ رہی ہو۔

”کون ہوتی حکم دینے والے؟“ ڈرائیور عزیزاً۔

”میں کوئی بھی ہوں۔ لیکن میں کروچ کہہ رہا ہوں!“

”جانتے ہوں کس کے حکم سے ہو رہا ہے؟“

”میں نہیں جانتا چاہتا۔ دیسے ہماری وردياں دیکھ رہا ہوں۔“

”تو پھر۔“

”اسے فوراً کھوں دو۔ درختی حشر عمار اکروں گا۔“

”اخاہ...!“ کہہ کر وہ اجنبی پر چھپٹ پڑا۔ لیکن دوسرا ہی لمحے میں اس کا باپاں جھڈپل کر رہا گیا۔ ایسا ہی زوردار پا چکر پڑا تھا۔

اُدھر ان دونوں نے چینا شروع کر دیا۔ ایک کہہ رہا تھا ”تم لوگ زندہ نہیں بچ گے۔ ایس بی بی صاحب تھیں کتوں سے بچاؤ؟ الیں گے۔“

اجنبی کا مقابل پھر اڑھا اور حملہ کرنے کی کوشش کی۔ اس بار اس کی دامنی پنڈتی پر چھوکر پڑی تھی اور وہ منہ کے بل بیچے چلا آیا تھا۔ اجنبی کے دونوں ساقیوں میں سے ایک انہیں کو رکھ کر کھڑا رہا اور وہ ارجیپ کی طرف بڑھا ایسا۔

”اسے کھولو۔!“ اجنبی نے اپنے ساقی سے کہا۔

ڈرائیور دونوں ہاتھوں سے پنڈتی دبائے بیٹھا مغلقات انگلی ریل تھا۔ ایس پی کنام رہا تھا۔

اجنبی کے ساقی نے ناصر خان کے ہاتھ کھوئے اور اسے زمین سے اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ ناصر خان بظاہر ہوش ہی میں تھا لیکن اس کی آنکھیں عجیب سی لگ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہر قسم کے احساس سے عاری ہو۔

”کھاڑی میں لے جاؤ۔ اور اس سے کہو کہ ان دونوں کو اُدھر لائے۔ رالفلوں پر قبضہ کرو!“ اجنبی نے اپنے ساقی سے کہا۔

وہ ناصر خان کو سہارا دیئے ہوئے سڑک کی جانب چل پڑا۔

”تم زندہ نہیں رہو گے... رات نہیں گزار سکتے۔!“ ڈرائیور اجنبی سے کہہ رہا تھا وہ کچھ نبولا۔ اُس کا دوسرا ساقی اُن دونوں کو بھی دیں سے آیا اور ان میں سے ایک بولا۔ تم سرکاری معاملات میں مداخلت کر رہے ہو چکتے گے۔

”اب آپ تینوں پی پٹیاں بھی کھوں کر ہمارے حوالے کر دو!“

”تم اخْرِم کون؟!“

”در سرکاری معاملات کو تم سے زیادہ سمجھنے والا۔“

”کیا تم نے ایس پی شہباز کا نام نہیں سنا؟!“

”اُس کی سات پشتیوں سے واقف ہوں۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ پٹیاں کھوں دونوں نہ تھیں تشدیدی ایک نئی قسم سے دو چار ہنزا پڑے کا! تین گو لیاں ہماری راول میں پیوست ہو جائیں گی۔ اور تم پیدل بھی شہباز تک نہیں پہنچ سکو گے۔“

انہیں کر سے پٹیاں کھوئی پڑی تھیں۔ اجنبی نے اپنے ساقی کے ہاتھ سے ریوا اور سے کر کہا: ”اب تم جیپ کے چاروں پہیوں کی ہوانکال دو!“

وہ تینوں بڑی بڑی قسمیں کھاتے رہے تھے۔ دھمکیاں دیتے رہے تھے۔ لیکن انہیں اسی انداز میں بے لیں کر دیا گیا تھا کہ وہ تعاقب کرنے کے مقابل نہ رہ جائیں۔

ناصر خان لینڈرور کی سبیٹ پر پڑا اگری گھری سانسیں لے رہا تھا! اجنبی نے اُسے آوازیں دیں اور وہ آنکھیں کھوں کر آہستہ سے بولا۔ آپ نے بہت بڑا خطہ مول یا بے جتاب۔

”آپ کون ہیں... اور یہ سب کیا ہو رہا تھا؟“ اجنبی نے پوچھا!

”لیکن وہ اُس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے بولا۔“ جب اُسے یہ معلوم ہو گا تو میرے متعلقین کی شامت آجائے گی۔!“

میں آپ کو ششاد محل یہے چل رہا ہوں... بے فکر رہیے وہ آپ کے متعلقین
کا کچھ نہیں بنگاڑ سے گا۔ جیت ہے کہ اُس نے مقتول کی بیوی کے بیٹے پر شہبہ کیوں نہیں
کیا۔ وہ بھی تو ایریورس کا کالا ہوا ہے...!“

ناصر خاں اٹھ بیٹھا! اور اجنبی کو غور سے دیکھتا ہوا بولا! آپ کوں ہیں جناب!

”آپ امام سے لیتے رہیے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے زنجوں کے لیے
فی الحال کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ گھر ہی پہنچ کر بات بننے کی...!“

ناصر خاں لیٹ گیا لیکن اُس کی نظر اجنبی کے چہرے ہی پر جھی ہوئی تھی آخر اس
نے بھڑائی ہوئی آوازیں کہا۔ ”مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پہنچ بھی کہیں آپ کو
دیکھتا ہو۔!“

”مجھے بھی شرمندگی ہے کہ میں پہلی ہی نظر میں آپ کو نہ پہچان سکا۔“

”آپ... کون ہیں!“

”میرا نام احمد کمال فریدی ہے... اتحادِ سال کی عمر تھی میری جب شمشاد محل
میں کچھ دونوں کے لیے میرا قیام ہوا تھا۔ خانِ حی الدین اور میرے باپ اچھے دوست تھے ما۔“

”میرے خدا...“ ناصر خاں بھڑاک بیٹھا اور کاشتہ ہوئے باختہ سے فریدی کا بازد
پکڑ کر بولا! آپ کرنل فریدی تو نہیں ہیں... نواب عربیہ الدین خاں کے بیٹے!“

”مجھے افسوس ہے کہ ایسے حالات میں ملاقات ہوئی۔“

”وہ میں اللہ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔“

”اس طرح ذیل کر رہا ہے وہ شریفوں کو!“

”بے فکر رہیے فرعونیت کی عمر ختوڑی ہوئی ہے!“

”وہ بیہاں کا شہنشاہ ہے۔ اس کے خلاف کچھ بھی کہیے اُپر والوں کے کافی
پر جوں نہیں رسلیتی۔“

”آپ کے متعلقین کہاں ہیں!“

”بہیں شکوہ آباد میں۔ میرا نام ناصر خاں ہے۔ اور بیہاں مکان نہیں ہوں...!
شمشاڈ محل بیہ رہا شہنشاہ ہے!“

”اوہ... شمشاد محل والے ناصر خاں... خانِ حی الدین کے بیٹے!“

”جی ہاں...!“

”تو شہباز اس حد تک بڑھ چکا ہے!“

”کسی کی بھی بگڑی سلامت نہیں ہے...!“

”لیکن بات کیا تھی!“ اجنبی نے پوچھا!

”وہ دار الحکومت میں ہونے والے ایک قتل کو میرے بیٹے کے سرمند ہنا چاہتا
ہے۔ محض اس لیے کہ ایک ہفت قبل مقتول سے میری کسی قدتلخ کلامی ہو گئی تھی... وہ
اپنے لوشیوں کی چوری کا الزام میرے ملازوں پر رکھ رہا تھا۔“

”آپ کے بیٹے پر شہباز کی وجہ بھی بتائی ہوئی۔!“

”شاید آپ نے بھی اجناد میں پڑھا ہو دار الحکومت کے اُس قتل کے بارے
میں۔ تعالیٰ نے فراز کے بیٹے پیر شوشٹ استعمال کیا تھا۔!“

”جی ہاں۔ مجھے یاد ہے!“

میرا بیٹا ایریورس سے متعلق رکھتا ہے۔ فلاٹ لفیٹنیٹ ہے ان دونوں
چھیسوں پر آیا ہوا تھا۔ اپنے ناہماں چیل گیا تھا۔ علی آباد۔ وہاں سے کہیں اور جیل۔
سیلانی طبیعت کامالک ہے کبھی بھی کسی کو اطلاع دیے بغیر جلد منہ احتقا ہے جل
دیتا ہے۔ بہر حال شہباز کی فراز کردہ معلومات کے مطابق وہ علی آباد میں صرف ایک
دن بھڑا۔ پھر نہیں اور چل گیا۔ شہباز مجھ سے اُس کا پتا پوچھ رہا تھا۔ اس کے لیے اُس
نے یہ طرفہ اختیار کیا تھا۔“

”بسا اوقات اس بھی ہوتا ہے۔ لیکن آدمی آدمی ہی رہتے کا خدا ہمیں بن سکتا!“
”کرنل صاحب! اس وقت میں سب کچھ بھول گیا ہوں۔ لیکن کیجئے اب زخمیں
کی تکلیف بھی نہیں محسوس ہوئی“
”شیر انگل کا قتل دار الحکومت میں ہوا تھا۔ اس کی تفتیش میں کر رہا ہوں۔ اب
شہباز را اختیت خیس کر سکے گو“
”جلدی کیجئے! میں اس کے شکاری کئے ہم سے پہلے نہ پہنچ جائیں...!“
”غلوت کیجئے! ان تینوں کو پیدل جانا پڑے گا اگر کسی سے لفت نہ مل گئی۔ میں نے
جیپ کے واٹر اسیں کو بھی ناکارہ کر دیا تھا“



”مجید بھائی کب آئیں گے؟“ قاسم نے مجید ہی سے پوچھا!
”وہ آئیں یا جہنم میں چائیں۔ مجھے پروادہ نہیں!“ جواب ملا۔
”وہ قیامطلب!“ قاسم نے آنکھیں نکالیں۔ اور پھر بیک چونک کربولا۔
”ہاں یہ تم نے پاسپورٹ پر میرانام قو خان کیوں لکھوایا ہے؟“
”وہ اور پھر کیا لکھوایا تھا؟“
”وہ کیا میں نہیں قو لگتا ہوں!“
”وہ تم تو قو کے عجی قو قو لگتے ہوں!“
”وہ امنے تم خود قو قو لیکھ قی تی!“
”وہ میری نکر نہ کرو!“
”وہ تم آخر ہو قون!“
”وہ قراقا خان...!“
”وہ سب سالے قاف ہی سے ہیں۔ تو پھر وونڈیا کا نام قلفی قیوں نہیں رکھ دیا تھا!“
”وہ قلفی سے بھی زیادہ ٹھنڈی معلوم ہوتی ہے!“ مجید سرداہ پھر کربولا۔
”وہ سب تمہاری بے قوفی سے ہوا ہے... سالی یا تو پڑھتی رہتی ہے یا اوٹ
پٹاںگ باقیت قرتی ہے۔ ہونہہ نروان۔ مگر یا بیہ نروان ہوتا قیا ہے!“
”وہ ہندی کا لفظ ہے۔ بلعی بخات!“
”وہ کس سے بخات...!“
”وہ ہو گی کسی سے۔ میں نہیں جانتا! لیکن جسے تم مل جاؤ... اس کی ہو گئی بخات...!“
”وہ قیامطلب!“
”وہ مجید صاحب کہہ رہے تھے کہ تمہاری بیوی کی بھی بخات ہو گئی ہے!“
”وہ جزو ارجمندی بیوی کا نام لیا۔ گدھی سے زبان کھینچ لوں گا اور مجید کی تو۔“

وہ سرحد پار بھی پہنچ گئے۔ لیکن مجید نے خود کو قاسم پر فدا ہرنہیں کیا۔ پرسکو رُس
کے لیے اجنبی بتا رہا۔ میت روکی کو رسیکا ان کے ساتھ تھی۔ خاصی ذہنی اور پڑھنی لکھنی ثابت
ہوئی تھی۔ روائی سے قتل اس نے جس قسم کی تباہی خریدی تھیں۔ اس سے مجید نے اندازہ
لکایا تھا کہ سچے حج نروان ہی کی تلاش میں ہے۔ بہت کم گفتگو کرتی تھی زیادہ تر پڑھتی رہتی
تھی یا چرس کے سکرٹ پیتی تھی۔
مجید بھی دھوکا اڑاتا رہتا۔ سکرٹ خود دل کر کے پیتا تھا۔ اس کی ضرورت یوں پیش
آئی تھی کہ تمباک فریدی نے فراہم کیا تھا جس کے دھوئیں سے چرس کی بوآتی تھی۔ لیکن وہ چرس
کے اثرات نہیں رکھتا تھا۔
انہوں نے تیسرے درجے کے ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ کیونکہ وہاں کچھ ہی بھی
میقم تھے!

اتنی خوفناک گالی تھی کہ حمید کو پسند آگیا۔ لیکن کیا مرزا سفی ہی پڑی کیونکہ مرتقا خان تھا۔ پھر بھی دبی زبان سے بولा۔

”داتنے اچھے دوست کو اس طرح ذلیل نکرو۔“

”در اور وہ سالا میری بیوی کی بخات کرنا پھرے۔“ قاسم آپے سے باہر جو اجا رہتا ہے!

”تم لوگ اتنا شور کیوں چلاتے ہو۔“ سکی نے کہا جو سامنے ہی استول پر بیٹھی کوئی کتاب دیکھ رہی تھی۔

” بتادوں کہ قوچان کی بیوی کا قصہ ہے!“ حمید نے آہستہ سے قاسم سے پوچھا اور قاسم بوجھلا کر بولا۔ ”ہمیں اس کی کیا جرورت ہے۔ ہرگز نہیں... بیوی کا نام بھی لیا تو اٹھا رہ پیچ دوں گا۔“

وہ شور اس لیے چلاتے ہیں کہ نروان کے علاوہ ہم بھی ہیں اس دنیا میں۔“ حمید نے سکی سے کہا۔

”وہ چھاتو پھر۔“

وہ نروان کتابوں کے ذریعے نہیں ملتا۔ آخر قسم کس سے بخات چاہتی ہو!“

”دکھلوں سے!“

”وہ لیکن کتاب میں تو اور نیادہ دکھی کر دیتی ہیں!“

”سب کتاب میں نہیں۔ ذرا سے تو پڑھ کر دکھو۔“

”کیا ہے اس میں!“

”کیا نہیں ہے!“

”صرف الفاظ ہیں۔ ناقابل عمل یا یتیں۔ جنہیں پڑھ کر ذہن تو بحوم اُٹھتا ہے لیکن ما فہر پر نہیں ہلتے! ایک کتاب پڑھ کر دوسرا پڑھنی پڑتی ہے... اور نروان کا معامل

کھٹائی میں پڑا رہتا ہے...!“

”بیں نہیں سمجھی تم کیا کہنا چاہتے ہو!“

”کتنے دنوں سے اس چکر میں پڑی ہو؟“

”پانچ سال سے...!“

”پانچ سال سے تم کتابوں میں دفن ہو اور تمہیں پتا نہیں کہ اس دوران میں کتنے بیماریں آئیں۔ کتنے پھول کھلے کہتی بارشیں ہوئیں۔“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔!“

”پانچ سال تم نے انڈھوں کی طرح گزارے ہیں! میری ترورج لرزہ ہی ہے اس تصور کر کے۔“

”پھر تم کیا کرتے پھر رہے ہو...!“

”ماپی ازم پر ایک کتاب لکھ رہا ہوں...!“

”اور یہ۔!“ اس نے قاتم کی طرف دیکھ کر کہا!

”اس کی نر پوچھو یہ تو خود ہی نروان ہے۔ اگر تم کسی طرح اس کو حاصل کر لو تو سے دکھلوں سے بخات پا جاؤ گی۔!“

”بیں نہیں سمجھی!“

”یہ ایک کروڑ پی کا اکتو بیٹھلہے!“

”اوہ۔ اچھا!“ وہ سن بھل کر پڑھ گئی۔

”لیکن اتنا معمول ہے کہ اتنا بڑا معمول پہنچ کیجی تھا ری نظر سے نہ گذرا ہوگا!“

”بے میں اس کا مطلب نہیں سمجھا!“ قاسم نے اردو میں کہا۔ بے چینی سے پہلو

رہتا!

”سماں میں پڑھتے رہو۔.. تمہارا معاملہ پکا کر رہا ہوں...!“ حمید نے بھی اردو میں

کہا اور سکی انہیں پُر اشتباہ نظلوں سے دیکھتی ہوئی بولی "کیا بات ہے؟"
 "کہہ رہا تھا کہ مجھے تمہارہ نہ کرو... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اسپرے کی دھار
 پر نہ چلو۔ کرنی نوٹوں پر جہل قدیمی کرو اسی طرح تمہارا نزد وان ہو سکتا ہے؟"
 "میں ان آلاتوں سے پاک ہونا چاہتی ہوں!"
 "یعنی کرنی نوٹوں کو آلاتش کہہ رہی ہو۔!"
 "وہ پائلنل...!"
 "اوڑچرس کے لیے جسم فروشی کرقی ہو!"
 "کبھی بھی یہ بھی سوچتی ہوں کہ یہ غلط ہے!"
 "ستقل طور پر سونا شروع کرو کہ یہ غلط ہے۔!"
 "میکن تم لوگوں نے مجھ سے معاوضہ طلب نہیں کیا!"
 "ہمارا نزد وان ہو چکا ہے۔!"
 "وہ آخر مجھے کیوں ساخت لائے ہو۔!"
 "و تمہیں اور تمہارے توسط سے دوسرے ہمپیوں کو اٹلی کرنے کے لیے۔ میں
 کتاب لکھ رہا ہوں نا۔!"

"تم اس کی بات کر رہے ہے۔ یہ کیا چیز ہے؟" سکی نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا
 "اسے ہمیں لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔ اس لیے بن گیا ہے پی۔ ورنہ اسے کسی فتنہ کی
 بھی محرومی کا سامنا نہیں!"
 "لیکن اس نے ابھی تک مجھ سے کچھ نہیں کہا۔!"
 "اسی لیے تو میں اس کو نزد وان کہتا ہوں۔"
 "تو پھر میں کیا کروں...!"
 "اس سے قریب ہونے کی کوشش کرو۔ جیسا چاہوگی بن جائے گا!"

"وہ آبے نہیں والا قسم!" قاسم گربڑا کر اردو میں بولا! "جمید بھائی کے لیخیر تھے نہیں ہو سکتا!"
 "کیا کہہ رہا ہے؟" سکی نے پوچھا!
 در کہہ رہا ہے خواہ خواہ کنوئیں مت کرو۔ میں زبردستی کا سودا نہیں چاہتا
 اگر مجھیں کوئی خوبی ہوگی تو خود ہی اُسے میری طرف متوجہ کر دے گی۔!"
 "تم واقعی حیرت انگیز ہو!" سکی نے قاسم سے کہا۔
 "لہذا اب تم دلوں خود ہی طے کرو...!" جمید اٹھتا ہوا بولا! "میں تمہارے لیے
 چڑیں کی تلاش میں جارہا ہوں با...!"
 "وہ آبے نہیں والا قسم... یہ نہیں چلے گی۔ مجھے اقیلے نہ چھوڑو۔" قاسم بھی گربڑا
 کر اٹھ گیا۔
 "کیوں یوقوفی کی باتیں کرتے ہو؟ میں جمید کی تلاش میں جارہا ہوں۔ جلدی واپس
 ہو گی۔!"
 "اقیلے میں مجھے اس سے شرم آتی ہے!" قاسم شراکم بولا! "یہ سچاری اتنی نیک
 اور شریف ہے۔ بالکل منگ کی دال معلوم ہوتی ہے!"
 "وہ پھر کیا جھپک مارتے کے لیے ہوتی بنے تھے۔!"
 "وہ اگر ہمیں لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں تو مجھ پر ہزار بار لاست!"
 "وہ آب کچھ نہیں ہو سکتا بلکہ جیں سے۔!" جمید نے کہا اور تینی سے باہر نکل کر ایسا
 قاسم غون غون ہی کرتا رہ گیا تھا۔
 فردی کی ہدایت کے مطابق جمید کو یہاں پہنچ کر اس آدمی سے رابطہ قائم کرنا
 تھا جو اس کام کے سلسلے میں اس کی رہنمائی کرنے والا تھا۔ جمید یہاں پہنچے بھی آچکا تھا
 اور ہر گلی کوچھ سے آگاہ تھا۔ دلشاوناہی اسینگ بارے کے سامنے گل کیا! اندر زیادہ
 تینیں آباد تھیں۔ وہ اندر داخل ہو کر سیدھا کاؤنٹر کی طرف چلا گیا!

” مجھے آغا طاہر سے ملتا ہے! ” اُس نے باریں سے کہا اور وہ اُسے اس طرح گھورنے جسے کوئی قامنا سب بات اُس کی زبان سے نکل گئی ہو۔

” تم نے نہیں سننا ایس نے کہا کہا ہے! ” حمید نے کسی قدر سخت لمحے میں کہا!

” تم ہو کیا چیز! کہاں سے آئے ہو! ”

” کیا یہ سوال منہار سے فرائض میں داخل ہے! ”

” یہ بھی ایک ہی رہی! ” وہ طنزیہ سی ہنسی کے ساتھ بولا! ” مجھ سے میرا بھی بتا دیجچے رہے ہو۔ ”

” اوه اچھا۔ ” حمید نے بھی اُس کی ہنسی میں شرکیت ہو گیا!

لیکن وہ جواب طلب نظلوں سے اُسے دیکھتا رہا۔

” تمہیں میرے بارے میں کرنل فریدی سے اطلاع مل چکی ہو گی! ”

” اوچھا... اوچھا... ! ” وہ چاروں طرف دیکھ کر آہستہ سے بولا! ” تم اور

دفتر میں پہنچ چکو گئی ابھی آرٹی ہوں... ! ”

” اُس نے باشیں جاتی والے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ حمید اُس سمت پڑھ گیا۔

چھوٹا سا مکہ تھا۔ اور سلیقے سے سجا یا گیا تھا۔ سامنے ایک بڑی میز تھی۔ جس کے قریب دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں اور وہ سری جانب ایک گھومنتے والی کمرتی تھی۔

” معافی چاہتا ہوں! ” وہ ایک بوتل حمید کی طرف بڑھتا ہوا بولا! ” آپ کے جنی

” مجھے برا فرد خدا کر دیا تھا! مجھے پہلوں سے سخت لفڑت ہے! ”

” کوئی بات نہیں! اس کام کے لیے یہی حکیمہ موزوں تھا! ”

” کرنل صاحب کا بہر خیال دُرست تھا کہ اور ہر سے ہی اپیون اور ہر سے جاتے ہیں۔ آپ کی طرف سے اُسی اپیون کی سیر و رُن بن کر اور ہر آتی ہے اور سیر و رُن بننے

کا کارخانہ شکوہ آباد ہی میں کہیں کام کر رہا ہے؟ ”

” اور ہر سے اپیون تو چلی جاتی ہے... لیکن اور ہر سے ہیر و رُن کیسے آتی ہے؟ ” حمید نے سوال کیا!

” وہی یہی جو اپیون سے جاتے ہیں۔ ہیر و رُن نے کروالیں آتے ہیں اور یہاں کا ایک بڑا فیسر اس ہیر و رُن کو میں الاقومی تجارت میں جھونک دینا ہے! ”

” میں تھج گیا! ” حمید سر بلہ کر بولا۔ ” یہی اور ہر سے چلتے ہیں اُنہیں پھر اور ہر ہی ہنکاریا جاتا ہے... یعنی ان سے اپیون وصولی کی کمی اور سیر و رُن جو اے کر کے اُنھیں پھر اور ہر سی دلکیل دیا گیا! ”

” درجی ہاں... ایسا ہی ہوتا ہے! ”

” تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ شکوہ آباد کا کوئی ذمہ دار آدمی بھی اس میں ملوث ہے؟ ”

” جی ہاں۔ اس کے بغیر تو یہ کام بھوپی نہیں سکتا! ”

” تو پھر وہ ہی حقیقت ہی پی نہ ہوں گے بلکہ قربیت یا فتنہ کا پر دار ہوں گے؟ ”

” آپ کا یہ خیال بھی درست ہے۔ ”

” تو پھر اپنی دال کیسے لگے گی۔ ”

” ضرور لگے گی۔ اصل کارپرواز تو نصف درجن سے زائد نہیں ہیں۔ ہر تم پر

اُن کے ساتھ نہ چڑھتے ہوتے ہیں اور یہ واقعی ہی پی ہوتے ہیں شکوہ آباد سے سستی چڑھ حاصل کرنے کے لیے ان کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ بہر حال اصل چکر چڑھن کا نہیں ہے۔ اپیون اور سیر و رُن کا کھیل ہے! ”

” سہ میں ہیں! ” حمید نے کہا۔ ” ہمارے ساتھ ایک سفید فام ہی کرک بھی ہے! ”

” بس تو پھر یہ منزل اور بھی آسان ہو گئی۔ کسی کوشش نہ ہو سکے گا۔ اور

آپ تینوں اُن میں شامل ہو جائیں گے۔ ”

” تو پھر ستم کتب اور کہاں ملیں؟ ”

”کل شام کو نگارینجا کے قریب -“
”جیک ہے!“ محمد احمد ہوا بولا۔



”آپ نے بہت اچھا کیا کہ ان کی رائفلیں اور پیٹیاں چھپیں لیں۔ میں نے ان مردوں سے ہرگز یہ نہیں کہا تھا کہ وہ ناصر خان سے بدعتیزی سے پیش آئیں۔ میں نے ان سے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ انہیں مشہاد محل چھوڑ آئیں اور اگر ممکن ہو تو اپنے طور پر ان سے تفییض دا اور کاپتیہ معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن وہ بدرجنت اس حد تک چلے گئے۔ میں آپ ہی کا منتظر تھا۔ اب کیسی تیار کر کے انہیں اندر کر دوں گا!“

”رائفلیں اور پیٹیاں گاڑی میں رکھتی ہوئی ہیں۔ میگوا لیجھے!“ فریدی نے کہا اور جیب سے سکارن کال کر اُس کا گوشہ توڑنے لگا۔ اُس کی آنکھوں سے گہری تشویش کا انہمار ہو رہا تھا! کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ ”بہر حال میں باضابطہ طور پر شیرماں کے قتل کی تفییض کر رہا ہوں!“

”ظاہر ہے کہ قتل دار الحکومت میں ہوا تھا!“ ایس پی طویل سالس نے کہا۔ ”لیکن چونکہ وہ یہیں کا باشدہ مخا اس یے خیال پیدا ہوا ممکن ہے کون یہیں سے اُس کے پچھے لگا ہوا درود میں پہنچ کر اُسے قتل کر دیا ہو۔ اس یے میں نے بھی کام شروع کر دیا تھا۔“

”اقدام غلط نہیں تھا۔“ فریدی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور سکار سدگانے لگا!

”ایس پی اُسے بہت خور سے دیکھ رہا تھا اور جب اُس نے سکار سدگان کے اپنا چڑھو اُس کے مقابل کیا تو اُس نے پڑی تیزی سے نظروں کا زاویہ بدلت کر کہا!“ جسے ان دونوں کے درمیان جھگڑے کی اطلاع ملی تھی۔ اس یے ناصر خان سے پوچھ کر فی پڑی!“

”اور یہ بھی درست ہے کہ تفییض دا اور ایس فورس سے تلقن رکھتا ہے اور اچانک غائب بھی ہو گیا ہے!“

”وہ بھی ہاں! میں بھی انہی خطوط پر سوچ رہا تھا!“ ایس پی جلدی میں بولا۔

آن تینوں کو دی لینڈ رو را لیں۔ پی کے آفس کی کپاؤنڈ میں داخل ہوتی نظر آئی جس کے مساواں سے نہ صرف اُن کا شکار چھین لے گئے تھے بلکہ انہیں بے اس کر کے پرول چلنے پر بھی مجبور کر دیا تھا۔ قاعدے کی رو سے انہیں حراست میں ہونا چاہیے تھا کیونکہ وہ اپنی پیٹیاں اور رائفلیں کھو بیٹھے تھے۔ لیکن وہ آزاد تھے۔

برڑے جارحانہ انداز میں وہ لینڈ رو کی طرف چھپے۔ لیکن گاڑی کے اندر نظر ڈلتے ہی تھک گئے۔ کیونکہ اُن کی مرمت کرنے والا اس وقت فوجی وردی میں تھا اور اُس کے شاون پر کرنل کی نشانیاں تھیں۔

چھار انہیوں نے دیکھا کہ ایس۔ پی بھی اپنے آفس سے نکل آیا ہے اور اس کی پیشوائی کو آگے بڑھ رہا ہے۔ وہ تینوں جہاں تھے وہیں کھڑے رہے۔ ”ہلو کرنل!“ کہہ کر اُس نے پوتاں مصافحہ کیا اور اُسے ساتھ لیے ہوئے اپنے دفتر میں چلا آیا۔

”تشریف رکھیے۔ آپ نے بہت اچھا کیا تھا کہ مجھے فن پر آگاہ کر دیا تھا۔“ ”میں نے ضروری سمجھا تھا!“ فریدی بیٹھا ہوا بولا۔

”ورست یہی ہوتا کہ میں اسے کسی تحریک کا رکن سمجھ کر لپنے آدمی مشہاد محل کی طرف دوڑا دیتا یا!“

”اور ان تینوں کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے۔ ناصر خان بہت زیادہ زخمی ہے!“

شیرت ہے کہ آپ نے نادر شجاع کو نظر انداز کر دیا۔"

"ہرگز نہیں جناب!" وہی۔ ایس پی سر ملا کر بولا۔ وہ سب سے پہلے میری توبہ اُسی طرف مبذول ہوئی تھی۔ لیکن وہ اس قتل سے پہلے نہیں موجود رہا ہے اُب تک کہیں باہر نہیں گیا۔ شیرا فگن اُس سے بھی شدید لفڑت کرتا تھا! اور یہاں بھیک یاد آیا... گذشتہ سفتے ہمارا جودو چاروں صہماں کے ہوئے تھے۔ اُن کا ذمہ دار بھی شیرا فگن نے نادر بھی کو محشرنے کی کوشش کی تھی۔"

"میں نہیں سمجھا!" فریدی اُسے خور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"وہ اس سلسے میں ایک کہانی کے میرے پاس آیا تھا۔" ایس پی شہزادے کہا اور وہی کہانی درہن لگا جو شیرا فگن فریدی کو پہلے ہی سُنا چکا تھا!

"ہوں... یہاں فریدی طویل سافنے کر بولا۔ تو... وہ یوہ۔"

"نادر کی اپنی ماں... یعنی شیرا فگن کی بیوی۔"

"تو کیا چودہ سال پہلے اُس پر اسی قسم کے مظالم ٹوٹ چکے؟"

"میں نہیں جانتا کہ حقیقت کیا تھی۔ لیکن سُنا ہے کہ نادر کے باپ شجاع نے دولت خان سے قرض یا بھاجے ادا کئے بیخ مر گیا تھا۔ دولت خان نے اس کی بیوی کو انٹھوایا اور وہ ایک ہفتے کے بعد شکوہ آباد کی ایک مرٹک پر یہوش پڑی پالی۔ کمی... پالکل بے سہارا تھی۔ شیرا فگن سہارا بن گیا۔ بہر حال شیرا فگن نے اُس اجنبی کا جو خاک کھینچا تھا وہ نادر پر پورا اُترتا تھا۔"

"تو آپ نے اس سلسے میں اُس سے ضرور پوچھ چکی ہوگی۔" فریدی نے کہا۔

"قدرتی بات ہے۔ لیکن مجھے اُس پر لعین نہیں آیا تھا۔"

"لیکن نہ کرنے کی کوئی وجہ۔"

"اُس سے پہلے بھی کیا پار شیرا فگن اُسے فانونی چکروں میں عصسا کر جل بھجواد کی کوشش کر چکا تھا۔ اُس سے چھکارا پانے کی اور تو کوئی نہیں بچا سے تی نہیں

ہی میں نہیں آتی تھی۔"

"تو پھر اسے بھی بعید از مکان نہ سمجھنا چاہیے کہ نادر بھی اُس کی نتک میں نہ رہا ہو!" فریدی نے کہا!

"میں کب کہتا ہوں۔ میں نے تو صرف یہ عرض کیا تھا کہ شیرا فگن کے قتل سے پہلے ہی سے وہ یہاں موجود رہا ہے؛ میں نے اچھی طرح چیک کر لیا ہے!"

"اس کے باوجود بھی فی الحال یہی دو افراد مشتبہ ہیں۔ نادر اور دوسرے!"

"چلیے یونہی سہی۔"

دران دونوں کے فنگر پرنس فراہم ہو سکیں گے؟"

"یکوں نہیں۔"

مقتول کے کمرے میں پائے جانے والے نشانات میرے پاس محفوظ ہیں!"

فریدی نے کہا۔

"دیکھئے! میری دورانہ بیٹی کی داد دیجئے!" ایس۔ پی ہنس کر بولا۔ "جیسے ہی مجھے اس قتل کی اہلکار ملی تھی۔ میں نے دونوں مشتبہ افراد کے فنگر پرنس حاصل کر لیے تھے۔ نادر کے تو پہاڑ راست یہے تھے اور دوسرے کے اُس کی کاڑی کے اسٹینگ سے۔ اب فراہمی دیکھئے کہ کاڑی موجود تھی اور وہ علی آباد غلبہ بس سے گیا تھا۔ یہاں سے علی آباد کا فاسد صرف پندرہ میل ہے۔ اب یہ ساری بائیں اُسے مشتبہ فرار ذینث کے لیے کافی ہیں یا نہیں۔"

"دو اقفعی آپ نے بڑا کام کیا۔"

ایس۔ پی نے میز پر کھی ہوئی گھنٹی بجا کر ارعوی کو طلب کیا اور اُس سے بولا۔ پدنچھر خان سے کھو فنگر پرنس کا فائل ایس سے آئے۔

خھوڑی دیر بعد فنگر پرنس کا فائل آگیا تھا اور ایس۔ پی نے اس میں سے دو شیٹ منتخب کر کے فریدی کی طرف بڑھا دیئے تھے۔

اُسی رات کو قریباً گیارہ بجے فریدی اپنے ہوٹل سے فون پر ناصر خاں کے
منبر و ایش کر رہا تھا۔
دوسری طرف سے جواب ملنے پر بولا! ”بیں فریدی بول رہا ہوں خان!“
آپ کے صاحبزادے کا پتہ معلوم ہونا بسید فروری ہے!“
”دیکھوں؟ کیا ہوا؟“ ”دوسری طرف ناصر خاں کی آفیز آئی۔
”حالات ان کے حق میں نہیں میں...“
”دیکھوں تھما!“

”متفقتوں کے کمرے میں بائے جانے والے انگلیوں کے نشانات میں سے
چھڑا درکی انگلیوں کے نشانات سے ٹلی کر رہے ہیں!“
”موائزہ کرنے کے لیے آپ کو دادر کے نشاہنہائے انگشت کماں سے ملنے!“
خرخان نے چھوٹے ہیں سوال کیا!

”شہباز نے فراہم کئے ہیں! اس کا کہتا ہے کہ قتل اور طریقہ قتل کا علم ہوتے ہی
اس نے دونوں مشتبہ افراد کے نشاہنہائے انگشت حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔“
”دوسرے کون؟“

”نادر شجاع... دونوں کے نشانات اس نے فراہم کئے ہیں!“
”دادر کے نشانات اسکے کہاں سے ملے؟“

”کہہ رہا تھا کہ دادر کی گاڑی کے اسی ٹرینگ سے اٹھائے ہیں! اور اس پر
بھی حیرت خالہ کر رہا تھا کہ گاڑی ہوتے ہوئے بھی شامی صاحبزادے نے علی آباد
کا سفر بس سے کیا تھا!“

”وہ گاڑی حرب میں اسے تسلیم نہیں کر سکتا کہ وہ نشانات دادر
کے ہوں گے۔ گاڑی کی دنوں سے کپیاونڈ میں ایک درخت کے نیچے کھڑی ہوئی ہے
دادر اس سے دہن چھوڑ کر چل دیا تھا۔ اگر آپ اس کے نشاہنہائے انگشت حاصل

حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے کمرے سے کیجیے!“
”یہ خیال بھی بڑا نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا ”اچھی بات ہے۔ میں شہباز
سمیت، مل دس بنجے تک شمشاد محل آؤں گا اور اُسی کے آدمی میری نگرانی میں وہاں
کام کریں گے!“
”بچھے منظور ہے!“

فریدی نے رسپور کر پڑل پر رکھ طویل سانس لی اور کھڑکی کے باہر بھی
ہوئے اندر ہرے میں گھوڑے نگا۔

پہلیں جھپکائے بغیر فنا سم کو دیکھے جا رہی تھی اور قاسم اس طرح سر جھکائے
بیٹھا تھا جیسے مصیبتوں کے پھاڑوٹ پڑے ہوں! وفات ”سکی نے کہا“ قم میری
طرف کیوں نہیں دیکھتے!“
”آئیں۔ ہاں!“ قاسم چونک پڑا اور چھڑی ہی ہی ہی ”اشارت ہو گئی اور
اس میں اچانک بہیک بھی لگ گیا۔ شاید خود ہی اس مفعکہ خیزی کی طرف متوجہ ہو
گیا تھا۔

”یہ سب کیا کرتے رہتے ہو!“ سکی نے حیرت سے کہا۔
”کچھ بھی نہیں!“ قاسم جھینپ کر بولا ”تم اپنی کتاب پڑھونا۔“
”نہیں اب میں صرف نہیں پڑھنا چاہتی ہوں...!“
”چرس پیو...!“ قاسم نے یہنی ہانک دی۔
”ترک کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ تم بھی تو نہیں پہنچتے!“
”اس سے کیا ہوتا ہے...!“

تمہارے ساتھی کی باتیں میری سمجھ میں آگئی ہیں! واقعی میں اب تک غلط راہ پر چلتی رہی ہوں... میں لیکسے نروان حاصل کر سکتی ہوں جب کہ چرس نہ ہوتے کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ نہیں ملتی تو اذیت میں مبتلا رہتی ہوں اور یہ بلا میں نہیں تو اپنے گلے لگاتی ہے۔ چرس و قمی طور پر دکھوں سے آزاد کر دیتی ہے۔ دکھوں سے منفل طور پر تجات نہیں دلادیتی۔ جو گیوں اور سادھوؤں کے دھڑکا نے جھے بہ کار دیا تھا۔ تمہارے ساتھی نے آنکھیں کھوں دی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ دکھوں سے اُسی وقت تجات مل سکتی ہے جب سارے انسان اپنے دکھ آپس میں بانٹ لیں۔ صرف یہی ہے تجات کا راستہ!

”وہ تو یاں ہے۔ بکواس کرتا ہے۔ تم خوب چرس پیلو۔ چلہ جتنی ہنگی میں میں پلاں گا،“

”آخر کیوں؟“

”ارے انسانی ہمدردی بھی تو کوئی چیز ہے۔ اور کسی کام نہیں آسکتا تو چرس ہی پلاڈیں غریبوں، محتاجوں کو۔“

”بیوقوفی کی باتیں مت کرو۔ جتنا وہ عقل مند ہے اُتنے ہی تم گھاٹ ہو،“

”جو جی چاہے ہوں ایسی تو مرتبے دم تک ہتھیں چرس پلاتا رہوں گا۔ میں چرس نے کی ملازمت دے دوں گا اپنے دفتر میں،“

”ملازمت۔“

”ہاں۔ ہاں۔ سیکرٹری فارچسٹنگ! تزویہ الگ۔ چرس مفت!“

”ہنسی آجائے گی جھے۔“

”وہ آجائے دو۔ میں نے تمہیر کر لیا ہے۔“

”وہ کی میں تھیں اتنی اچھی لگتی ہوں...“

”مردیہ تو میں تھیں اکھاں کہا،“ قاسم نے کہا اور دل میں بولا۔ سال مونگ کی دال نہ

”ہنستی ہے نہ مُسکرا فی ہے۔“

”چھر کیوں میرے بیٹے اتنی زحمت مول ہو گے۔!“

”میں زحمت ہی مول پینے کے لیے پیدا ہوں۔“ ”میرا مقدر،“ قاسم نے کہا اور اردو میں طربڑا بیا ”نہ جانے سالا تھا جا کر مر غباہ ہے... دیال میرے مر جو ٹغیہ“ ”اور کیا کہہ رہے ہو۔!“ سکی نے پوچھا۔

”ابنی نہیں میں شعر پڑھ رہا تھا!“ قاسم بوجھلا کر بولا۔

”کیا تھا اس شعر کا مطلب۔ انکش بیں بتاؤ۔!“

قاسم کے دیوتا کو چ کر گئے۔ شعر پڑھا ہوتا تو مطلب بھی بتانے کی کوشش کرتا۔ لیکن اب جو بات اپنے سے نکل گئی بھی۔ اسے بہر حال بخاتا تھا۔ لہذا ہمکھانا شروع کر دیا۔ اے شخص... لک کیا تو سپتھر کا ہے... کہ نہ ہنستا ہے اور نہ مسکرا ہے... اگر تو واقعی پختھر کا ہے تو آمیں تجھ سے اپنا سر نکرا کر پاش پاش کر دوں۔“ سکی نے بہت زور سے قہقہہ لگایا اور قاسم بوجھلا کر چاروں طرف دیھنے لگا۔ دیسے اُسے جیرت بھی بھی کہ آخوناس نے اتنے یعنی جملے اس طرح یہی مولوں کر دیے۔ ”تمہاری شکایت بجا بھے!..“ سکی سنپیدگی اختیار کر کے بولی ”اچھا اب میں تمہاری خاطر خود کو بدلنے کی کوشش کروں گی۔“

”م۔ میری خاطر۔!“ قاسم ہمکھلایا۔

”ہاں تمہاری خاطر۔ نذرگی میں بیلی بار مجھے محسوس ہوا ہے کہ آدمی بنیادی طور پر یقیناً تھا۔ لیکن مختلف قسم کے نفسوں نے اُسے درندہ بنادیا ہے...!“ ”بڑی خوشی ہوئی یہ معلوم کر کے!“ قاسم روا روی میں بولا۔

”اُتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی اور دونوں چونک کرا دھر تجوہ ہو گئے۔

”وقن ہے!“ قاسم نے ہانک لگاتی۔

” یہ سمجھتا ہے کہ میں تم پر عاشق ہو گیا ہوں ! ” حمید نے کہا۔
” دیکھو... دیکھو... بچھو ہی حرامی ہیں - ! ” قاسم عڑایا۔

” مسٹر قاسم اپنی زبان کو نکام دیجئے - ! ”

” ماچھی چاہتا ہوں ! ” قاسم مسمومی صورت بناتکر بولا ! اُردو میں زبان ہیرے
قاپ میں نہیں رہتی - ! ”

” انگریز کے پچھے ہو ! ” حمید نے انھیں نکال کر پوچھا۔

” نہیں میں بڑے جالم آدمی کا بچھو ہوں جھٹے ماں قردو ! میرا باپ بہت
جمال ہے۔ اب تک اُس کے سامنے بچھا سوچتا رہتا ہوں کہ تمہیں تو فتنے
زبان سے نہ نکل جائے اس زبان سالی کا فبارا ہو غبا - ! ”

” اچھا اچھا۔ میں سمجھ گیا۔ جھٹے آپ سے ہمدردی ہے مسٹر قاسم ! میکن اس
ہوٹل کو تو چھوڑنا ہی پڑے گا - ! ”

” تم... میں تیار ہوں۔ ابھی اور اسی وقت چھوڑو - ! ”

” قاسم نے کہا اور انھوںکر سامان سمیٹنے لگا۔

” پہ کیا کر رہا ہے ! ” سکی نے پوچھا۔

” میں نے اس کی غلط فہمی رفع کر دی ہے کہ میں تم پر عاشق ہو گیا ہوں۔ لہذا خوش
ہو کر اب ہمیں کسی ارادت وہ اور اچھے ہوٹل میں لے جائے گا اور تم وہیں قیام
کریں گے ۔ ”

” یہاں کیا بڑے ہیں۔ لیکن یہ سن کر خوشی ہوئی کہ یہ میرے بارے میں اتنا سنجیدہ
ہے۔ ! ” سکی نے کہا اور قاسم ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑا کر رہ گیا۔

” میں سمجھ گئی... یہ نہیں چاہتا کہ تم اس کے جذبات کی ترجیحی کرو...
بڑا سنسنی خیز بچھو ہے میرے لیے... میرے ملک کے فوجوں تو سب کچھ نہ پسر
چھینک مارتے ہیں۔ اس کے شر میں پن کا جادو مجھ پر مسلط ہوتا جا رہا ہے ! ”

” قرقا خان... ! ” بابر سے آواز آئی۔

” آج تو کندھی نہیں الگی ہوئی ہے ! ” قاسم بُرا سامنہ بنا کر بولا۔
حمدید دروازہ کھول کر اندر آیا اور باری سے دونوں کو دیکھ کر بولا
کیا ہو رہا تھا۔ ”

” قچھ بھی نہیں ! ” قاسم جھینپ کر بولا۔ ” حمید بھائی ملے - ! ”

” فون پر بات ہوئی تھی ابھی وہاں سے روانگی ہی نہیں ہوئی ! ”

” وہ یقین تھا میری روانگی قرادی - ! ”

” کیا مطلب - ! ”

” اے یہ لوٹ دیا میری بیس ہو غمی ہے... مجھے نہیں چاہیے مونگ کی دال ؟ ”

” میری سیسی ہو گئی ہے ! ” حمید نے جیرت سے کہا میں نہیں تھجا ! ”

” قہقہی ہے۔ تمہاری خاطر میں خود کو بدلتے کی قوشش کروں گی ”

حمدید نے سبیل بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑے اور پر تشویش
نظر میں سکی کو دیکھتے رکا۔

” اس طرح بیوی دیکھ رہے ہو۔ اس نے کیا کہا ہے... ! ” سکی نے پوچھا!

” کہہ رہا ہے کہ زندگی میں میلی بار ایک بھرپور عورت نظر آئی ہے... ”

” آبے... آنے... الاشم اچھا نہیں ہو گا - ! ” قاسم گز بڑا کہکش بولا۔ لیکن وہ
اس کی طرف دیکھ کر بڑے دلا دیز انداز میں مسکراتی تھی۔

قاسم نے حمید کا نام لے کر سلوایں سنائی شروع کیں ” ساے نے پتا

نہیں قس پاکل کو میرے پیچھے لغایا ہے - ! ”

” کیا کہہ رہے ہو۔ انکلش میں کہو - ! ” سکی خواہ نخواہ نہیں کر بولی۔

” نہیں کے کاشر بانہے مجھ سے منزو - ! ” حمید نے کہا۔

” ساے کوئی اُوٹ پٹاٹ بات تی قو گلابیا دوں گنا - ! ”

ناصرخان کے چہرے پر سہاٹیاں اُڑ رہی تھیں۔ کیونکہ فریدی نے رہی ہی
امید پر بھلی یہ کہہ کر پانی پھیر دیا تھا کہ داور کے لگنے سے یہی نشانات
انگشت بھی ان نشانات سے مختلف نہیں ہیں جو شہزاد نے داور کی گاڑی کے
اسٹینرنس سے حاصل کئے تھے۔

” تو پھر آپ بھی اُسے مجرم سمجھ رہے ہیں؟ ” ناصر نے بجھ فسی آواز میں کہا۔

” صرف مشتبہ۔ جرم ثابت ہوئے بغیر کسی کو بھی مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔
ویسے کیا داون نے آپ دونوں کے درمیان ہونے والے جھگڑے کو بہت زیادہ اہمیت
دی تھی؟ ”

” ہرگز نہیں۔ وہ تو من کرہنے لگا تھا اور کہا تھا کہ آدمی اسی یہے بوڑھا ہوتا ہے
کہ وزارہ اسی بات پر لڑتا جھگڑتا رہے اور مجھے اس کا یہ ریمارک لفظ بلطف بیا رہے
کہ شیر افغان صاحب ول کے بُرے نہیں ہیں۔ بس کم و راعصاب کی بنا پر جلدی میں
میں آجائتے ہیں! ”

” بہر حال آپ بہجید ضروری ہو گیا ہے کہ داور سلم منے آکر اپنی صفائی پیش کریں۔ ”
فریدی نے کہا

” میں ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں کہ اُس کا پتہ لگ جائے جیسی چھٹے علم ہوا آپ
کو آگاہ کروں گا۔ اگر سچ ہے وہ اس جنم میں ملوث ہے تو آپ وکھیں کے کہ میں اُسے
کس طرح قانون کے حوالے کرتا ہوں۔ ”

” مجھے لقین ہے۔ آپ الیسا ہی کریں گے۔ ”

شمشاہ محل سے نکل کر فریدی شیر افغان کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی بیوہ
کو پہنچے ہی مطلع کر دیا تھا کہ وہ اس وقت پہنچ رہا ہے۔

نذرہ خاتون شیر افغان کی بیوہ اس وقت بھی ایسی ہی لگ رہی تھی۔ جسے کچھ دیر
پہنچے رہتی رہی ہو۔ فریدی کے استفسار پر اس نے بتایا کہ ناصرخان سے شیر افغان

” آب بتایا یہ جناب قاسم صاحب۔ ” ” جید نے چکار کر کہا۔

” قاسم صاحب سالے کی ایسی کی تھی۔ کیوں میرا قباداً کرتے ہو۔ اسے
اس کی صورت دیکھ قریبی آنکھوں میں کفن ناچنے لگتا ہے۔ ”

” میں کیا کر سکتا ہوں... ویسے کیا ہے بھی کوئی لڑکی تم پر عاشق نہیں ہوئی؟ ”

” جان نہ جلا وورنہ سچ مج ہاتھ پر توڑ قرکھ دوں گا۔ ”

” وہ اچھا چلو امکھو۔۔۔ میں نہیں بیٹھے رہتا۔ آب کسی اچھے ہوں گیں میں قیام کر دیکھے۔ ”

” قیوں۔۔۔ بیہاں کیا بُرانی ہے۔ ”

” ابھی ابھی یہیں جید نے فون پر بتایا ہے کہ تم کس فلم کی لڑکیاں پسند کرتے ہو۔ ”

” لڑکیاں جائیں جہنم میں۔ میں عمرتارے ساٹھ کہیں بھی نہ جاؤں غا۔ ”

” کیوں نہیں جاؤ گے؟ ”

” میں نہیں جانتا کہ تم قون ہو۔ ”

” سچ پچ قراقا خان ہوں قو خان کی طرح بتا سپتی نہیں ہوں! ”

” آب یہ قہو غے بیٹا۔ خود ہی تو مجھے قو خان بنایا تھا۔ ”

” بس مسٹر قاسم زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش نہیں ہے میں جاری ہوں

آپ جانیں اور آپ کا کام... ”

” اسے... اے... مھڑو... میں اقیلے... نہیں رہوں غا... ”

جید دروازے کے قریب رُک کر بولا۔ آب آپ اکیلے نہیں ہیں یہ لڑکی

آپ کی سر پست بن جانے کی صلاحیت رکھتی ہے! ”

” کیا بات ہے سکی امکھی ہوئی بولی؟ کیا تم دونوں آپس میں جھگڑا کر رہے ہیں؟ ”



کا جھکڑا ضرور ہوا تھا لیکن بعد میں وہ اپنے روئے پر سخت شرمندہ نظر آتا تھا اور اس نے کھل کر یہ بات کی تھی کہ اس سے زیادتی سرزد ہوئی ہے۔ محض شہبز کی بنابرہ راست الزام نہ رکھ دینا چاہیے تھا۔!

”بات ناصر خاں ہی نے بڑھائی تھی!“ اُس کے بیٹے نادر نے کما جاؤں کی کوشی کے پیچے کھڑا اُسے پر تشویش نظروں سے دیکھے جائز ہا تھا... خاصاً توڑی ہیکل جوان تھا! جبڑے جھاری تھے اور انکھوں کی بنادوٹ بھی سخت بگر طبیعت کی طرف اشارہ کرتی تھی ”تم خاموش رہو۔“ نذرہ خاتون نے کہا! ناصر خاں بھی بڑے آدمی نہیں سیکن میں تصویر بھی نہیں کر سکتی کہ اس قتل میں ان کا ہاتھ بھی ہو گا۔“

”کسی پر شبہ ہے آپ کو!“

”بھی نہیں! وہ فطرہ تھا جو اُو آدمی نہیں تھا۔ اس لیے کسی سے دشمنی نہیں تھی!“

”میں نے مُٹا کر وہ کسی ایسے مرد میں مُٹنلا تھے کہ اچانک چلنے پھرنے سے مغادر ہو جلتے تھے!“

”جی ہاں!“

”اور اس کے باوجود بھی آپ لوگوں نے انہیں تہہ سفر کرنے دیا۔“

”وہ نہ تھا تو نہیں گئے تھے!“

اس جواب پر فریدی نے نادر کو چنکتے دیکھا اور فوراً ہی اُس پرستے نظر ٹھاپی۔

”وہ کون تھا ان کے ساتھ؟“ فریدی نے سوال کیا?

”وہ انہوں نے مجھے اُس کا نام نہیں بتایا تھا۔ لیکن یہ کہا تھا کہ وہ دارالحکومت ہی کا ایک کاروباری آدمی ہے اور اس سے پچھے چرڑے کالین دین رہتا ہے۔ انکھوں نے

یہ بھی کہا تھا کہ وہ ان کے ساتھ پھر شکوہ آباد آئے گا۔“

آپ نے مجھ سے تو فرنہیں کیا تھا!“ نادر بولا۔

”کیا یہ ضروری تھا؟“ نذرہ خاتون نے اُس سے سوال کیا۔

”بھی نہیں۔ میرا یہ مطلب تھا...“

”خاموش کھڑے رہو۔ دخل اندازی کی ضرورت نہیں!“

فریدی نے محسوس کیا کہ وہ اپنے بیٹے کو شاہد پسند نہیں کرتی۔ دفعۂ فردیا

نے نادر سے سوال کیا ”آپ ایک فورس میں ہیں!“

”ہوں نہیں بلکہ بھقا! انگ لکانڈر سے جھکڑا ہو گیا تھا اس سے اُس نے بعض فرضی معاملات میں پھنسا کر برخواست کر دیا۔ لیکن کیا آپ نے یہ سوال اس لیے کیا ہے کہ قاتل نے فرار کیے پہاڑوں استعمال کیا تھا؟“

”آپ ان کی روائی کے بعد کہاں کہاں رہے۔!“

”اوہ... یہ تو براہ راست الزام والی بات ہوئی۔!“

”میرے سوال کا جواب دیکھئے!“

”میں ہمیں شکوہ آباد میں رہا ہوں۔ ایک گھنٹے کے لیے بھی ہاہر نہیں گیا۔ واضح ثبوت پیش کر سکوں گا!“

”لیشت داور کیسا آدمی ہے؟“

اس سوال پر نادر نے اپنے شاتے سکوڑ سے اور بچپر انہیں ڈھیلا چپور کر بوللا!“ میں توہر ایک کو اچھا سمجھتا ہوں کرنل صاحب!“

”نہیں! وہ بہت اچھا لڑکا ہے،“ نذرہ خاتون نے کہا! میں تصویر بھی نہیں کر سکتی! وہ بچارہ تو وسرے ہی دن ان سے اپنے باپ کے رویے پر معاف مانگتے آیا تھا!“

”آپ نے اس کا نذکر بھی مجھ سے نہیں کیا!“ نادر بوللا!

”لد ضرورت نہیں سمجھی تھی!“ نذرہ خاتون نے سخت ہیجے میں کہا۔

”میرا خیال ہے کہ یہاں میری موجودگی بھی ضروری نہیں ہے!“ نادر نے کہا اور پس پیٹھا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

”میرا جیوال ہے کہ آپ اپنے بیٹے سے ناراض ہیں!“ فریدی تے کہا۔
”وہ میں اس سے نفرت کرنی ہوں!“
”اوہ - !“ فریدی نے جیرت نماہر کی۔

”اور اس لیے نفرت کرنی ہوں کہ وہ بھی اس سے سخت متنفر تھے۔ انہوں نے اس کے لیے کیا نہیں کیا لیکن یہ باپ تو کیا سمجھتا بھی ایک ہمدرد انسان کی حیثیت سے بھی ان کی قدر نہیں کی۔!“

”وہ بڑی عجیب بات ہے۔!“

”ایک آنسو بھی تو اس کی آنکھ سے نہیں پکنا تھا! اگر آپ اس کے او راں کے تعلقات کے بارے میں مزید معلوم کرنا چاہتے ہوں تو ہمارے ملازم شیرگل سے پوچھئے“
”تو آپ کو لقین ہے کہ نادر صاحب اس دوران میں یہیں رہے ہیں!“
”میں نہیں جانتی۔ وہ یہاں رہتا ہی کب ہے۔“

”پھر کہاں رہتے ہیں۔!“

”یہ بھی شیرگل ہی سے پوچھ لیجئے گا!“

”کیا ان کا اپس میں جھکڑا بھی ہوتا تھا!“

”وہ نہیں...! اس کے باوجود بھی دونوں کے درمیان تناؤ رہتا تھا!“

”آخر کس بنایا پرے۔!“

”وہ اسے ایک شریف ادمی دیکھنا چاہتے تھے۔!“

”ہاں آپ داور کے بارے میں بتا رہی تھیں کہ وہ معافی مانگنے آیا تھا۔“

”بھی ہاں۔ وہ داور کو بہت پسند کرتے تھے۔ پھر ہی سے وہ ان سے ماںوس تھا اور رانپنے گھروں سے چھپ چھپ کر میہاں آیا کرتا تھا۔ دراصل انہیں باشندہ کا شوق تھا۔ اور داور کو بھی اس سے لاکو تھا وہ ان سے پوچھوں کی میوند کاری سیکھنا تھا اگر وہ اس سے چھپ کر اس لیے آتا تھا کہ وہ بڑے لوگ ہیں اور ان کی دانست میں یہ

ایک گھیسا کام ہے جو نچلے ہی طبقے والوں کے لیے موزوں ہے!“

”وہ غالباً بھٹی پر ہے ان دونوں!“

”بھی ہاں۔ اس دوران میں کئی بار آچکا ہے! میرا مطلب ہے ان کی روائی سے قبل!“
”تلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں!“ اب اجازت دیجئے!“ فریدی اُختنا ہوا
بولہ۔ یاں یہ شیرگل کہاں ملے گا۔“

”کپاٹ نڈ کے بھائیک سے ملجن کو ٹھری میں رہتا ہے۔ کئی دونوں سے بیمار ہے!“

”اسے اس حادث سے کھرا صدمہ ہنچا ہے۔ آٹھ سال کی عمر سے ہمارے سامنے ہے ۰۰۰ وہ
کسے بیٹوں کی طرح عزیز رکھتے تھے!“

”گویا جوان ادمی ہے۔!“

”بھی ہاں۔ زیادہ سے زیادہ میں سال کا ہو گا۔!“

فریدی وہاں سے اٹھ کر شیرگل کی کو ٹھری کی طرف آیا۔ وہ دروازے کے
سامنے ہی چارپائی پر بیٹھا کھا اس رہا تھا۔ فریدی کو دیکھ کر اٹھ گیا۔

”فریادیے جناب!“ اس نے بڑے ادب سے کہتے ہوئے چارپائی چھوڑ دی

”نادر صاحب کہاں ہیں!“

”بھی۔ ابھی تو آئے تھے۔ چلے بھی گئے۔!“

”آپ اندر سے دیافت فریادیے جناب!“

”بیگم صاحبہ نے اس سلسلے میں تمہارا نام بیا تھا!“

”مم۔ میرا نام...!“

”میں دراصل عمرتارے مالک کے قتل کی تفییض کے سلسلے میں دار الحکومت
سے آیا ہوں...!“

دفعہ فریدی نے محسوس کیا کہ اس حوالے پر اس کے چہرے پر مردی چھا
ئی ہے۔

”کیا تم اس سلسے میں جیری مدد کر سکو گے۔؟“

”بیہاں تو آپ کو بھانے کے لیے کچھ نہیں ہے!“

”اس کی پروانگی و مجھے معلوم ہوا ہے کہ مہترے مالک نے یہ سفر نہیں کیا تھا۔ کون تھا ان کے ساتھ۔؟“

”میں نہیں جانتا جناب۔ اس بارہ مجھے اپنے ساتھ ریوے استینشن نہیں لے گئے تھے۔ بلکم صاحب سے معلوم ہوا تھا کہ کسی کے ساتھ جا رہے ہیں۔ لیکن شاید وہ بھی نہ جانتی ہوں کہ ساختی کون تھا۔؟“

”ماں۔ انہیں بھی معلوم نہیں ہے!“

”صاحب ایسے ہی تھے جس معاملے کو ظاہر نہ کرنا چاہتے اُس کی کسی کو ہوا بھی نہیں لگ سکتی تھی۔“

”جانے سے قبل ان کا کسی سے جھگڑا ہوا تھا۔“

”جی ہاں۔ خان باصرخاں سے نکلا ہو گئی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ ان کے ملازموں نے ہمارے یعنی مولیشی چڑائیے ہیں!“

”اس پر خان ناصر کا لطف کا داور بھم ہو گیا تھا۔“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے جناب۔ خان داور قوان کا باپ کی طرح احترام کرتے تھے۔ کسی نے آپ کو نظر راستے پر ڈالنے کی کوشش کی ہے۔“

”میں نے پوچھا تھا نادر صاحب سے کیا ملاقات ہو سکے گی۔؟“

”اُن کا کوئی ایک ٹھکانا نہیں ہے۔ قرباً دو سال سے وہ اس خوبی کی چھت کے پیچے نہیں سوئے۔“

”کرتے کیا ہیں۔ ہوا فوج سے تو چھپ ہو گئی تھی!“

”میں نہیں جانتا کیا کرتے ہیں!“

”و شیراگوں سے کیسے تعلقات تھے۔؟“

”بلکم صاحب سے معلوم فرمائیں جانا ہے!“

”انہوں نے کہا ہے شیرگل مجھ سے زیادہ بہتر طور پر بتا سکے گا!“

شیرگل طویل سانس سے کر رہا گیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

”بس ایسے ہی تعلقات تھے کہ اُن کے قتل کی خبر سن کر برا اسمانہ بنایا تھا اور

بونے تھے دیر طبق بالشت کا ادمی تو گزی طوال یعنی تلاش کرتا پھرے گا تو اور کیا ہو گا۔

مارے گئے ہوں گے کسی بھروسے کے ہاتھوں! اور پھر مجھے یہ باور کرنے کی کوشش

کرتے رہے تھے کہ صاحب عیاشی کی خاطر شکوہ آباد سے باہر جاتے رہتے ہیں!“

”ہوں۔ اور وہ خود اس دوران میں ہیں رہا تھا!“

”میں یقین کے ساتھ نہیں کہ سکتا یہاں تو کبھی بھار آتے ہیں!“

”بیبات انہوں نے کب ہی تھی!“

”وہ کل شام کو۔!“

”و پرسوں بھی میں تھا!“

”میں یقین کے ساتھ نہیں کہ سکتا!“

”اُس کی تصدیق کہاں سے ہو سکے گی کہ شیراگوں صاحب کی روائی کے بعد سے

وہ میں رہا ہے۔!“

”و پروفیسر میلٹھی۔ اوہ پروفیسر خوبی ہیں ایک صاحب... نادر میاں کا نیا وہ

تر وقت انہی کے ہاں گزرتا ہے یا ان کی صاحبزادی کے ساتھ۔ بہت دنوں سے وہ لوگ

اُس بھوٹ کی تلاش میں ہیں جس سے سونا بن جاتا ہے...!“

”و فریبی کی پیشان پر سلوٹیں ابھرائیں اور شیرگل کچھ دیر خاموش رہ کر بولا!“

کی صاحبزادی اور نادر میاں کے پڑے پچھے ہیں شکوہ آباد ہیں۔ میرے صاحب کو نادر

میاں کی یہی بائیں پسند نہیں تھیں!“

”وہ دونوں کے درمیان اس سلسلے میں جھگٹے بھی ہوتے رہے ہوں گے۔“
”وہ جی نہیں! میرے صاحب نے کبھی کوئی بات ان کے منہ پر نہیں ڈالی۔ لیکن شدت سے متاثر تھے۔ ارے وہ تو سوتیلے باپ تھے۔ خود بیگم صاحبہ ان کی شکل دیکھنے کی رادار نہیں ہیں!“

”وہ نہیں معلوم ہی ہو گا کہ ان کا قاتل کس طرح فرار ہوا تھا!“

”جی ہاں! میں نے اخلاقات میں تفصیل دیکھی تھی!“

”وہ پیراشوت کا استعمال وہی کر سکتے ہیں۔ جھنوں نے اس کی باقاعدہ طور پر پرینگ لی ہو۔!“

”وہ میں سمجھ رہا ہوں آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ میں پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں پھر بھی پڑھنے کا شوق ہے اور کچھ نہ پڑھنا ہی رہتا ہوں۔ نادر میاں اپنی ماں کی موت سے پہلے صاحب کی املاک پر تباہی نہیں ہو سکتے۔ لہذا وہ ایسی حماقت کیوں کرنے لگتے۔ یا پھر وہ اتنے ہی سنکلہ ہوں گے کہ کچھ دنوں کے بعد ماں کو بھی نہر دے دیں۔ اور کچھ صاحب کے ایک سوتیلے بھائی بھی تو ہیں۔ ان کی موجودگی میں بیگم صاحبہ کو صرف اتنا ہی ملنے کا چنتا ان کا حق تھے۔“

”ظاہر ہے!“ فریبی سر بلکہ کر بولा۔

”دادران کے حصہ کا ہرگز اتنا ہیں ہو سکتا ہے جس کے لیے نادر میاں ایسا کوئی قدم اٹھائیں!“

”وہ میں سمجھ رہا ہوں۔ تم بہت ذہین ہو۔!“

”مجھے بھی نادر میاں اچھے ہیں لگتے۔ لیکن میں خداگاتی کیوں کا گا۔“

”وہ غالباً پندرہ دن پہلے ہیاں کچھ دھماکے ہوئے تھے!“

”وہ جی ہاں۔ ہوئے تو تھے۔!“

”وہ میرا خیال ہے کچھ لوگ زندگی بھی ہوئے تھے!“

”وہ نہیں جناب... زخمی تو کوئی نہیں ہوا۔ کچھ پتا ہی نہ چل سکا کہ دھماکے کرنے والے کیا چلہتے تھے؟“
”کیوں؟“

”وہ ساری عمر تین خالی مخفیں تھیں جن میں دھماکے ہوئے تھے؟“
”وہ بڑی عجیب بات ہے؟“ فریبی نے پرنسپالیٹ ہجھے میں کہا یہ لیکن گرفتاریاں تو ہوئی تھیں...!“

”جی ہاں!“ شیریکل نے پڑھا سامنہ بنا کر کہا اور دوسرا طرف دیکھنے لگا!
”وہ شیر افغان صاحب نے داور کے باپ کی توہین کی تھی۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اپنا غم و غصہ ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ اور اپنی اسی فنظرت کی آئشیں بڑے سے بڑا حرم کر جاتے ہیں۔“

”جی ہاں۔ ہر طرح کے لوگ ہیں دنیا میں۔ لیکن نہ جائے کیوں میں داور صاحب کے بارے میں ایسا نہیں سوچ سکتا!“
”کوئی خاص وجہ؟“

”آٹھ دس سال کی عمر سے اُن کو دیکھتا آرہا ہوں۔ اُن کے ظاہر و باطن میں بھی کوئی نہیں فرق محسوس نہیں کیا۔!“

”پچھلی بار وہ یہاں کب آیا تھا؟“
”میرا خیال ہے کہ اس بار تو نہیں آئے۔ لیکن نہیں ظہر ہیئے۔ جی ہاں صرف ایک بار آئے تھے۔ اس کے دوسرے دن... میرا مطلب ہے کہ جب صاحب کا ان کے باپ سے جھگٹا ہوا تھا اُس کے دوسرے دن۔ اور میری موجودگی میں اپنے باپ کے روپیے پر شہرمندگی ظاہر ہر کی تھی۔“

”وہ بڑی غیر فطری سی بات ہے!“ فریبی نے کہا۔
”لاؤ آپ جو چاہیں تصور فرمائیں۔ میں نے توجہ دیکھا تھا عرض کر رہا ہوں!“

سالمہ منقطع کر کے، فریبی نے کسی اور کے بذریعہ میں کئے تھے۔ دوسری طرف
سے نسوانی آواز آئی۔

”پروفیسر خلیجی سے ملنا ہے۔!“ فریبی نے کہا!

”کون صاحب ہیں۔!“

”کرنل فریبی۔!“

”توقف فرمائیے۔!“

فریبی انتشار کرتا رہا۔ مخنوٹی دیر بعد پوچھا گیا ”کون کرنل فریبی؟“
یہ پروفیسر خلیجی ہی کی آواز تھی۔ یکساں یاہی لگاتھا ہے کوئی بُلی میاں میاں
کرتے کرتے آدمی کی طرح بونے لگی ہو۔

”اوہ پروفیسر مراج بخیر!“

”و بخیر بخیر کچھ نہیں۔ میں نے پوچھا تھا کون کرنل فریبی؟“

”احمد کمال فریبی۔ ہم ایک دوسرے کے لیے جتنی تو نہیں ہیں!“

”شکل دیکھ بیرونیوں کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ مجھے نام یاد نہیں رہتے!“

”تو پھر میں آجاوں شکل دکھانے۔!“

”اس وقت فرستہ نہیں ہے۔ بکری کی جوئیں نکال رہا ہوں!“

”د کب فرستہ ہوگی!“

”اس کے بعد۔!“

”د اور یہ بعد کب ہوگا۔!“

”د تم جھکی ہو کیا؟“ پروفیسر نے غصیلے لمحے میں کہا!

”شکل دیکھ کر ہی فیصلہ کر سکو گے۔!“

”اچھا تو آجاؤ۔ میں بکری سے معذرت طلب کروں گا!“

”د کیا عمر ہے بکری ایسی۔!“

”د اچھا تو پھر کسی ایسے دشمن کی نشانہ ہی کرو۔ جو تمہاری دانست میں اس
حدائق جا سکتا ہو۔!“

”د ان کا کوئی ایسا دشمن نہیں تھا۔!“

”د ہو سکتا ہے۔ ناصرخان نے اس سلسلے میں کسی اور سے مدد ملی ہو۔ شکوہ آباد
میں صرف یہی دو عذر طبیعتی افراد تو نہ ہوں گے۔!“

”د اس کے بارے میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ ویسے ناصرخان بہت زیادہ بھڑک
اٹھتے۔“

”د کوئی ایسا آدمی جو طبیعتی ہو اور ناصرخان سے قریب بھی۔!“

”د میں ایسے کسی آدمی کو نہیں جانتا جناب۔!“

”د بہت شکریہ پیشگل۔ تم سے بڑی مدد ملی ہے!“

”د میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں جناب۔!“

فریبی نے اپنی گاڑی پھاٹک کے ہاتھ کھڑی کی تھی... دن سے اپنے ہوٹل
والپس آیا اور فون پر ایس۔ پی شہزاد کے بذریعہ میں کئے۔ دوسری طرف سے فرما ہی
جواب ملا۔

”د میں کمی بار نہگ کر جکا ہوں!“ شہزاد کی آواز آئی۔ دو تازہ ترین الٹاع ہے کہ
داور نری کوہ میں پہاڑی بکروں کا شکار کھیل رہا ہے۔ آپ خود دیکھیں گے یا میں اپنے
آدمی بھیجنوں!“

”د میں خود ہی دیکھوں گا ویسے اگر آپ کا بھی کوئی آدمی ساتھ ہو تو ہتر ہو گا۔“

”د بڑی خوشی میں۔ اس کے علاوہ بھی کوئی اور خدمت ہو تو۔!“

”د بہت بہت شکریہ... اتنا ہی کافی ہے۔! آپ یعنی بجھ کے قریب اپنے
آدمی کوہیں بجھ دیجے گا۔“

”د بہت بہتر۔“

”میں دوڑھاں سال !“

”بہت اچھا میں آرہا ہوں ہا۔“

فرہبری نے ریسیور کھاہی خفافہ گھنی بھی اُس نے پھر ریسیور اٹھایا۔

”بُخترین ! سرم دوسرا طرف سے آواز آئی بُرگاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے بونٹ

اٹھا کر دیکھیجیے گا۔ بی ایلوں اُس شخص کا تعاقب کر رہا ہے جس نے گاڑی میں کوئی لڑکہ کی تھی“

”شکریہ بی تھرین -“ کہہ کر فرہبری نے ریسیور کھو دیا۔ اُس کے ہونٹوں پر عجیب میں مسکرات

خود اپنی تھی۔

ختوڑی دیر بعد وہ اپنے کمرے سے فکل کر ڈائینگ ہال میں آیا۔ وہاں کافی پی اور سگار

سلگ کر اٹھ گیا!

”گاڑی کے قریب آیا۔ بونٹ اٹھا کر دیکھا! سلف اسٹارٹ کے کھو کھے میلینٹس شیل والا

ایک چھپٹا سالم چکا جاتھا اور اُسے ایک تار کے ذریعے اسٹارٹ کے ٹھانے سے منڈک کر دیا گیا

تحاب اس کا یہ طلب تھا کہ گاڑی اسٹارٹ ہوتے ہی ایک زیر دست و ہما کا ہوتا چہرہ گاڑی رہتی

اور ز اسٹارٹ کرنے والا۔

فرہبری نے سگار زین پر ڈال کر جوتے سے رگڑ دیا اور اسٹارٹ سے بم انگ کرنے لگا!

اور پھر ذریبی سی دیریں اُسے ناکارہ کر کے گاڑی کی بھلی سیٹ پر ڈال دیا تھا!

اور اب لینڈر پروفیسر خلیج کے ٹھکانے کی جانب روانہ دواں تھی اسکا فرہبری

کے ہونٹلیں دبایا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ بڑا ہی نہ ہو۔

ختوڑی دیر بعد اُس نے ڈلیش بورڈ پر ایک ہن دبایا۔ سائیں سائیں کی آوازیں آنے

لیں اور اُس نے اپنی آواز میں کہا۔ ”ہیلو۔ بی ایلوں ... بی ایلوں ... ہارڈ اسٹوں کا لانگ۔“

”بی ایلوں سر !“ ڈلیش بورڈ سے آواز آئی۔

”کیا لغا قاتب جاری ہے ... ?“

”د بچھے انسوں ہے جناب کرو جھے دھو کادے گیا! ہانار نر گرل میں ایک جگہ اُس

نے گاڑی روکی تھی اور اُس کرایک دوکان میں داخل ہوا تھا! پھر سڑاغ نہیں مل سکا! گاڑی کا بہر نوٹ کر دیا ہے!“

”و نکریہ کرو۔ دیکھا جائے گا۔“ فرہبری نے کہا اور دوسرا بُن دیا کر فرہبری بند کر دیا۔ پروفیسر خلیج کا بے سہم سا بانگلاہ ایک بیران سے ٹیکے پر واقع تھا بنگلے بُن پہنچ کے لیے یہ پروفیسر نے ایک چکردار سڑک بنوائی تھی جس پر ایک دفت میں صرف ایک ہی گاڑی چل سکتی تھی۔ پروفیسر سچ مچ ایک بکری کی جوئیں تلاش کرتا ہی دھکانی دیا۔ عمارت کے باہر ایک درخت کے پیچے بلبری کو دیکھ پہنچا تھا! حاصا لیحہ شیم آدمی تھا! بال کھڑے ہوئے انکھوں میں دھشت اور ہر ہونٹ میں عجیب طرح کا ٹھنچا پڑایا جاتا تھا۔ فرہبری پر نظر پڑتے ہی بکری کو چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

نور سے قہقہہ لگایا اور بولنا! اوہ تو ناریں صاحب ہیں ...“

”مجھے لقین تھا کہ تم مجھے بھوٹ نہ ہو گے۔“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“ وہ جھپٹ کر مصافحوں کرتا ہوا بولنا! دیکریوں کی جوئیں بھی میری پیدا کردہ ہیں خاص قسم کی جوئیں ایک خاص قسم کی بونٹ کھلا کر پیدا کی ہیں!“

”ان جوئیں کا کیا کرو گے۔“

”ساری دنیا کی بکریوں میں پھیلاؤں گا۔ اور بھر دہ دوا بانار میں ہیجھوں گا جس سے ان جوئیں کا خاتمہ ہو سکے گا؟“

”جنباں اچھا ہے ...“

”اس سے بھی زیادہ اچھے خیالات بہرے ذہن میں محفوظ ہیں!“

”کیا تم مجھے اندر سے جا کر بھاڑ کے بھی نہیں۔“

”ارے ہاں ... وہ تو میں بھول ہی گی۔ ہماں کو بھٹکتے مجھی ہیں ... آٹو... آٹو...“

ڈرائینگ روم کیا تھا! اچھا خاصابا غیرچھوڑتا۔ جگہ جگہ مگلے رکھے ہوئے تھے جن میں بھانت بھانت کے پورے لگے ہوئے تھے۔ اور دیواروں پر طرح طرح کی بیلیں رینگ رہی تھیں!

”اور رضوانہ کو بابو نہ بنادیا ہے!“ فریدی مسکرا کر بوللا۔

”شامِ زین نے آپ کو کہیں دیکھا ہے؟“ رضوانہ بولی۔

در بہت چھوٹی سی بھیں تم جب تجھے ایک ماہ کے لیے جڑی بوٹیوں سے فیضی پی ہو گئی تھی۔ اور میں پروفیسر کے ساختہ بیان کے جنگلوں میں بھشتا پھرتا تھا۔

”آپ شامِ زین کے بارے میں کچھ پوچھ رہے تھے امجد سے پوچھتے دیکھ رہے تھے“

پروفیسر ایک طویل سانس سے کردھم سے ایک صرف پڑھ گیا۔

”میں معلوم کرتا چاہتا ہوں کہ پچھلے ہفتے سے اپنا تک وہ کہاں رہا ہے؟“

”پچھلے ہفتے سے اپنا تک ہر رات اُس نے یہیں گزاری ہے! لیکن ڈیڑھ کو اُس کا علم نہیں۔ رات کو اُس کے لیے لاہوری میں پتگ ڈالوادیا جاتا ہے اور وہ رات کے نہ کتابوں میں کھویا رہتا ہے!“

”تجھے کیوں عالم نہیں ہے یا پروفیسر زور سکتے ہیں!“

”ضروری نہیں ہے کہ اس وسیع کائنات میں واقع ہونے والی ہربات کا علم اپنے ہو۔ آپ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ اپنے کامل اس وقت کس رفتار سے دھڑک رہا ہے؟“

وہ تم نے دیکھا! دفعتہ پروفیسر خوش ہو کر بوللا! ”بابو نہ کتنی غلطمند ہے!“

وہ تمہاری ہی ہی ٹھیک ہے!“ فریدی نے مسکرا کر ہم اور چند لمحے خاموش رہ کر بوللا!

”ہاں تو وہ لاہوری میں سوتا ہے!“

”بھی ہاں۔ اور اُس نے شیراں کے قتل کی خبر سنتے ہی کہہ دیا تھا کہ اُس پر ضرور شہبہ کیا جائے گا!“

”اوہ ہو۔ لیکن شہبے کی بھی کوئی معقول وجہ ہوتی ہے۔!“

”فائل کے فرار کا طریقہ اُس نے پیراشوت استعمال کیا تھا۔ اور وہ ٹریننگ قسم کا پیراشوت ہے!“

”لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اس دوران میں شکوہ آباد سے باہر نہیں گی تو شہبہ

وہ تم میں ذرہ برا بری جبی تبدیلی نہیں ہوئی پروفیسر۔ مافریدی نے کہا!

”اور کیا تم میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے ناریل صاحب!..“

”وہ نہیں مجھ میں بھی نہیں ہوئی تھا!“

”ہاں... آپ مجھے کہنا چاہتے ہیں کہ تشریف رکھتے جناب!“ پروفیسر حیرا روں طرف دکھنا ہوا بوللا۔

”یہی کہنا چاہتے ہیں امہلت بہت شکریہ پروفیسر!..“ فریدی ایک صوفی پرسے کسی قسم کی گھاس کا چھوٹا سا گھر سڑک پر بیٹھتا ہوا بوللا۔

”کیا تکلیف ہے تھیں!..“

”ایک قتل ہو گیا ہے! دارالحکومت میں۔! یہیں کا باشندہ مخدشیر افغان!“

”ہاں تھا تو۔ پھر میں کیا کروں!..“

”میں نے سنا ہے کہ اُس کی بیوی کا بیٹا نادرت ہمارے گھرے دستوں میں سے ہے!“

”وہ ہاں ہے تو... اُسے بھی جڑی بوٹیوں سے دلچسپی ہے!“

”وہ کیا وہ پچھلے ایک ہفتے سے اپنا تک یہیں رہا ہے۔!“

”وہ یہاں کیوں رہتا۔ کیا یہ اُس کے باپ کا گھر ہے...؟“

”وہ نہیں میرے باپ کا گھر ہے اس میں ہے وہ یہاں رہ سکتا ہے!“ دفعتہ پائیں جا بے ایک پچھتی ہوئی سی نسوانی آدا نہ آئی۔

فریدی اٹھ گیا۔ شابیرہ پروفیسر کی بیٹی رضوانہ تھی۔ بہت چھوٹی سی بھتی جب فریدی نے اُسے دیکھا تھا۔ آپ تو پہلا ہو گئی تھی۔ باپ ہی کا ساٹیل ٹوول پایا تھا۔ خطوط دلاؤ بیز تھے۔ لیکن آنکھوں میں باپ ہی کی سی آنکھوں کی دلشت پائی جاتی تھی۔ برے برے بال پشت پر سمجھرے ہوئے تھے اور اُس نے پیٹی لٹکپوں سی وضع اختیار کر کی تھی!“

”وہ پیر پیر بائونز ہے... باپ پروفیسر نے تعارف کرایا اور مستظر ناریل۔ انہوں نے اپنا نام فون پر سچھا اور بتایا اغفاریں میں۔ اُنہیں ناریل کے نام سے یاد رکھتا ہوں۔!“

کاسوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔!

”آپ دارالحکومت سے آئے ہیں۔ اور آپ نے فون پر اپنا نام کرنے فریدی بتایا تھا؟“

”جی ہاں۔!

”ایں پی شہزاد کے آدمی بھی یہاں اگر اُس کے بارے میں پوچھ گچھ کر جائے ہیں!“

”دنادر صاحب اس وقت کہاں ہیں میں ان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں!“

”اس وقت پناہیں کہاں ہوگا۔ لیکن شام تک ضرور آئے گا۔ رات ہمیں بس کرتا ہے۔ دراصل ہم دونوں ایک خاص قسم کی بوٹی کی تلاش میں ہیں!“

”وہ تمہیں کبھی نہیں ملے گی۔ اس کا کوئی وجود نہیں ہے!“ پروفیسر سخت ہجھ میں بولا

”کس بوٹی کا ذکر ہے؟“ فریدی نے پوچھا!

”سوئی بوٹی کا جس سے سونا بن جاتا ہے۔!“ پروفیسر بولا۔ اور پُرسامنڈہ بنا کر دوڑی طرف دیکھنے لگا!

”چیتکی کھال والی جلد کی قلمی کتاب میں اُس کا ذکر موجود ہے!“ رضوانہ نے کہا۔

”یکواں ہے با دشا ہوں کو خوش کرنے کے لیے بعض چالاک قسم کے پڑھنے لکھے لوگ اس قسم کی ہوائیاں بھجوڑ دیا کرتے تھے!“

”دنادر کا ذیلی معماش کیا ہے؟“ فریدی نے رضوانہ سے سوال کیا۔

”میں نہیں جانتی! لیکن اس کی جیب کبھی خالی نہیں دیکھی!“

فریدی نے جیب سے سکارن کا الہی تھا کہ پروفیسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”یہاں نہیں! بعض پودے مقباکو کا دھواں برداشت نہیں کر سکتے!“

”آپ میرے کرے میں چلتے۔!“ رضوانہ بولی۔

”کیوں نہ لادبیری میں چلیں۔ میں بھی وہ قلمی نسخہ دیکھنا چاہتا ہوں جس کا ذکر ابھی آپ نے کیا تھا!“

”منورہ منورہ!“

فریدی اٹھ گیا۔ پروفیسر ہبہاں بیٹھا تھا وہیں بیٹھا رہا۔ اُس نے اس پر افتراء مجھی نہیں کیا تھا کہ رضوانہ اُسے لادبیری میں سے جا رہی ہے۔

لادبیری بھی کہا تھا تھی ثابت ہوئی... الماریوں پر گرد کی تہیں جی ہوئی تھیں۔

”پھر یونگ ہیں چھوڑ گیا!“ رضوانہ پیر پیچ کرو ہڑیوں دو لکنی بار کہا ہے کہ صحیح یہاں سے ہٹا دیا کر دو۔ آپ دیکھ رہے ہیں بستہ تک نہیں پہنچا... میں تنگ آگئی ہوں اس شخص سے۔

یہ ریکھے ہیں تین تین ایس ٹرے رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن سگرٹ کے ٹوٹے فرش ہی پر بھیتیتا ہے!“ فریدی نے سگرٹ کا ایک طوٹا اٹھایا اور اُس ناک کے قریب سے گیا اضافہ نور سے مہش پڑی اور یوں یوں نہیں وہ چرس نہیں پہنچا۔ یہ میرا شوق ہے۔ میں چرس میتی ہوں!“

”پروفیسر کے علم میں ہے۔!“

”جی ہاں۔ وہ چلتے ہیں...!“

”ہوں... تو یہ نادر کا بستر ہے...!“

”جی ہاں۔ آپ سگار سٹکا بھیجئے!“

”شکریہ! یہ میرا خبیاں ہے کہ پروفیسر نادر کو پسند نہیں کرتے۔!“

”میرے علاوہ شاید ہی کوئی اُسے پسند کرتا ہو اب اس دراصل یہ ہے کہ میری حذر ک

و بے حد تک سعادت مند ہے۔ جب بھی مجھے غصہ آتا ہے پیٹ کر رکھ دیتی ہوں! اخوشی سے پلتا رہتا ہے۔ اور پھر آنسوس کبھی آنکھوں سے دیکھتا ہو جا خاموشی سے رخصت ہو جاتا ہے!“

”شاید ماننا کو ترسنا ہوا ہے بچا رہ!“ فریدی نے معمون ہجھ میں کہا!

”بالکل بھی بات ہے! ماں نے دوسری شادی کر لی تھی!“

”مجھے علم ہے۔!“ فریدی نے کہا اور تینز نظروں سے لادبیری کا جائزہ لیتا رہا

پھر بولا۔ ”ذرا دکھائیے تو۔ وہ کتاب۔!“

رضوانہ اپکے الماری کی طرف بڑھی اور اُسے کھوں کرتا ہوں کی قطاروں پر نظر دردا رہی پھر ماپوسانہ اندازیں بولی۔ شاید نادر ہی نے کہیں اور رکھ دی ہے... ہم اس

کتاب کی بہت حفاظت کرتے ہیں۔ اس میں ایسی بویوں کا ذکر بھی ہے جو موعد میں جان
وال دیتی ہیں!"

"جب بھی ملے مجھے ضرور کھایے گا اچھا آب اجازت دیجئے!"

"پھر سمجھی تشریف لایے گا امین ڈیڑی آپ کو ناپل کبوں کہتے ہیں؟"

"خدا ہی جانے آپ کو بھی تو باونہ کہتے ہیں...!"

"ور خود میڈھی کھلاتے ہیں!" وہ زور سے ہنس پڑی۔

"اپسی پرفیری کو درست کرم ہی سے گزرتا پڑتا تھا۔ رضوانہ وہیں رہ گئی تھی۔
اور پروفیسر اس کے ساتھ باہر جلا آیا تھا۔

"مجھے یہ اڑکی سخت نالپندر ہے!" پروفیسر نے فریبی کی گاڑی کے قریب پہنچ کر کہا۔
"لیکن میں اُسے گول نہیں مار سکتا!"

"ارسے پروفیسر بھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ ۲۰ ہستہ آہستہ عقل آجائے گی۔ اچھا خدا
حافظ جلد ہی پھر ملاقات ہوگی اور تم جو بھی بویوں پر باقی کریں گے!"

"اس کی گاڑی پھر شہر کی طرف جا رہی تھی۔ شہزاد کے آدمی کو ساتھے کر نہیں کوہ کی
ٹف بھی تو جانا تھا۔

اس نے مٹکر دیکھا۔ ناکارہ کیا ہر ابم آب بھی پھل سیست پر پڑا ہوا تھا۔

پھر وہ تینوں اس بھیری بیٹھا ہو گئے۔ فریباً ڈھائی درجن بیٹی رہے ہوں گے۔ ان میں
لیسی بھی عورت مرد سمجھی شامل تھے اور آفاطا ہرست ان چچا افراد کی نشاندہی بھی کو دی تھی
جو کچی اپیون اور سروٹن کا بتارہ کرتے تھے۔

جمید نے قاتم کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ وہ ان لوگوں پر اپنی دولتمداری کا انہمار

بن ہونے دیے۔
وہ اپنی کمپنی کے علاوہ اور کسی کے سامنے زبان نہ کھوٹا۔!" جمید نے مزید مشورہ دیا۔

"آخر قتوں؟"

"پول کھل جائے گی کہ ہم بے ہوئے بیٹی میں۔ میری دی ہوئی سکریٹ پھونکتے رہوں ان
کے دھوئیں میں چس کی پوشامل ہوئی۔ لیکن چس کے اثرات سے پاک ہیں یا
اگر دھواؤ حق میں اٹھتا گا۔ تو میں کھانتے کھانتے مر جاؤں گا!"

"وہ سو شمش کرو کہ حلق سے بیچے نہ اترنے پائے!"
"آپے میں تو ہفتا ہوں ختم قرویہ چکر۔ اس سکی پکی وجہ سے عورتوں سے جی بھر غیبا ہے!"

"میرا تو نہیں بھرا ہے!"

"آخر جمید جمالی کب آئیں شے۔!"

"یار وہ بات نہ پوچھو جس کا جواب میرے پاس نہ ہو۔!"

"اگر تم دونوں اپس میں بھی انکش میں لکھ کیا کرو تو کیا حرج ہے؟" سکی بول پڑی۔

"عادت نہیں ہے کوئش کریں گے۔" جمید نے کہا۔ اور قاسم سے انکش میں بولا

"تم دو توں مجھے بہت اچھے لکھتے ہو۔!"

"شکریہ!" سکی مسکرائی اور پیار بھری نظروں سے قاسم کی طرف دیکھنے لگی۔

"آپے قراقچا ان تم خود ہی اس سے محبت قیوں نہیں قریبیتے۔!" قاسم نے اردویں کہا۔

"محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی۔ اسے تم سے محبت ہو گئی ہے ما۔"

"ہوا قرے پیرے بھیگے سے مجھے تو نہیں ہوئی ہو گئی ہے ما۔"

"آخر کیا براٹی ہے بچپری میں۔ اگر اس نے مجھ سے محبت کی ہوتی تو میں اسے ملکہ رہتی قلیم بناؤتیا۔!"

"قراؤ اور بناؤ۔ کسی نے روکا ہے قیا۔!"

"محبت نہ پرستی نہیں کرائی جاتی۔!"

”وہ بہت تھکا ہوا ہے!“ حمید نے کہا۔ ”مجھ سے سُن لو۔“

”حمد نے پا تھوڑا طھا کر گیا اٹھایا۔ اور جو اپنے شیک بجائے لگا اور سب چکے تھے اور اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ کیونکہ ٹکریوں نے انھوں کو خروج کر دیا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ سمجھی اس طرف آگئے اور ان تینوں کے گرد حلقوں پر تھر کرنے لگے۔“

”میں آہ کر رکھ سک گیا تھا!... میں قاتم سے کہا تم بھی اٹھو!...“
”وہ تو پہلے ہی بیٹھے بیٹھے تھر رہی تھی۔“

”آپ یہ تم نے قیام شروع قریبا!“ فاسد حمید کو انھیں دکھا کر بولا۔ ”اس طرح تو“

”ابا پ بھی نہیں ہیں سکتا!“

”میں حمید بھی وہی میں مست زخمی تھی کرتا رہا۔“

”اوٹھو!...“ سکی قاتم کا ہاتھ پر کوکھ پھیپھی ہوئی بولی۔

”ارے پاپ رے مرغیا!...“ کراہتا ہوا اٹھا اور یہ ہنگم پنسے پل ہل کر تراخان کی ایسی کشی کرنے لگا۔“

”ادھر حمید نے میوزک کے اتار پر طھا کے ساتھ تو خان قوشان قوشان...“ اللہا شروع کر دیا۔

”سامے جیندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

”انتے میں دو لڑکیاں حمید کی طرف چھپیں اور ایک نے کہا!“ ”گیثا راستے دو یہ بجاۓ یا۔ تم میرے ساتھ ناچو!...“

”حمد نے بڑی سعادت مندی سے اس کاہنا مان لیا۔... لبیں ذرا سی دیر کے لیے میوزک بند ہوا تھا اور وہ سب لڑکھانے لگے تھے۔ لڑکی نے پھر سنبھال لیا۔ ادھر حمید کی پاپڑ خود جو شیل ثابت ہوئی تھی۔ بار بار اس سے مگر اجاتی تھی اور زور سے قہقہے لگاتی۔ خاصی جاندار تھے اور مہنتی وقت کا دوں میں گڑھ پڑھلاتے تھے۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور انھیں چک بنا تھیں۔“

”تم ووگ پھر اسیں میں اپنی ہی زبان بولنے لگے اور میں یورتوں کی طرح بیٹھی ہوئی ہوں!“
”میں نے کہا آب دہ کتابیں نہیں پڑھنی تھی۔ چرس کے سگرٹ بھی کم سے کم پیتی تھی۔“

”پیسوں کافی فلم شام ہوتے ہیں ایک جگہ ڈک بیٹھا۔ اور ان پھر سیلوں نے جگہ جگہ ناٹیں کی پھول راما بیان نصب کر دی تھیں جو اسمگلکروں کے کارپرواز تھے۔“

”ایک جھول راما ایک ان تینوں کے حصے میں بھی آئی تھی۔ لیکن وہ سب ابھی کھلے آسمان ہی کے نیچے بیٹھے ہوئے ہوں اڑا رہے تھے، دفعتہ اگرچہ کارپروازوں میں سے ایک ان تینوں کے پاس آبیچا دراصل فاسم کا قابل ڈول ہے ایک کی توجہ کام کرنے بنا ہوا تھا۔“

”تم ووگ کہاں سے آئے ہو؟“ پیسوں نے پوچھا۔

”امریک سے!“ حمید نے جواب دیا۔ ”ہماگر ورن جی کے چلے ہیں!“

”تم دونوں تو ادھر سی کے جان پڑتے ہو!“

”یا ہم دونوں امریک میں تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ ایک ان ہماگر ورن جی سے ملاقات ہوئی اور پھر ساری دنیا اپنی بدل گئی ہے!“

”لڑکی تو بڑی زور دار ہے تھا میرے ساتھ۔“

”اس کی مجبوبہ ہے!“ حمید نے قاتم کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”فاتح کو لیتی ہے لیکن اس پیڑی سے نہیں اترتے دینتا!“

”شکوہ آباد سے واپس آگر کہاں جاؤ گے...!“

”جہاں اہرے جائے۔ اب تو ساری دنیا اپنی ہے...!“

”سگرٹ ہوتا کا لو!...!“

”حمد نے اپنے چہرے پر کرب کے آثار پیدا کر کے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک چرس بھری سگرٹ نکال کر اس کے حوالے کر دی۔“

”اپنے ساتھی سے کھو لو گیثا پر کچھ سنائے!“ اس نے سگرٹ سدا کار و حواں چھوڑتے ہوئے کہا۔

جمید نے بھی وہ اچھل کو دنچانی کر خود سے عجیب اپنے اوپر حیرت ہونے لگی۔

”تم بہت پھر تیلے ہو۔ یا ہم رقص بولی۔“

”قرقا خان نام ہے۔“

”دیں میلی ہوں۔ میرا پارٹیز بارہ ہو گیا ہے۔ اُس کے لیے کچھ مدد کر دو۔“

”ضرور۔ ضرور۔ بڑی خوشی سے ابھی کروں گا مدد۔“

”وہ مرہی جائے تو ہترے۔ آپ اُس میں کچھ منیں رہے۔“

”تم تو زندگی سے بھر لو ہو۔“

”جمید نے کہا

”میں زیادہ نہیں پیتی۔ میں تو دنیا کیجئے نکلی ہوں۔“

”تمہارا ساکھی دیوبھلوم ہوتا ہے۔ ارسے لو۔ وہ تو بیٹھی گیا۔“

”پھر اڑھے۔ اپنی پارٹیز کے ہنسنے سے کھڑا ہو گیا تھا۔“

”اوھر فاسم دھڑت سے بیٹھی گیا۔ ساکھی کہتا جا رہا تھا۔“

”الہمیاں ابکے ماف فر۔ عی پی گی ہے۔“

”اب ایسی گھنی نہیں ہوئی۔ ارسے باپ رے پریٹ میں قیا چیز بن چکھ رہی ہے۔“

”ارسے ارسے یعنیں کیا ہو گیا؟“

”سکی اُس پر جھنگتی ہوئی بولی۔“

”میرے پیٹ میں کچھ ہو گیا ہے!“

”قاسم کر لہتا ہوا بولا!“

”جھنے ناقچے کو دنے کے تاب دے چکے ہیں۔ ہر وقت کھانتا رہتا ہے۔“

”میدرنے دس دس کے پانچ نوٹ نکال کر اُس کے ہاتھ پر رکھ دیئے!

”معافی چاہتی ہوں جان۔“

”تجھے معاف کر دو۔ اس کا دھیان ہی نہیں رہا تھا تجھے“

”سالی جان بھی جلا شے غ۔“

”قاسم اردو بی پڑھ رایا۔“

”مُھٹو۔ اُٹھ جاؤ۔“

”چلو ہمیں دوچل کر لیجھتے ہیں۔“

”پیٹ کے اندر والی چیز سیدھی ہو جائے تو اُٹھوں۔“

”کیا ہے پیٹ میں۔“

”وہ بھیش کا بچہ!“

”قاسم جھنچھلا کر دلکھ۔“

”میں بھتی ہوں جان۔“

”وہ اچھا اچھا چپ رہو ٹھوٹی دیر۔“

”وہ اس کے پاس ہی بیٹھ کر اسے پر لشوش نظروں سے دیکھنے لگی۔“

”بیس قرقا خان اور حمید دنوں کو کایاں دینے لگا۔“

”بُر اسامتہ بنا کر پڑھایا تھا اقرے وہ تھیں ہیضہ ہی کرادے۔“

”کیا کہہ رہے ہو؟“

”سکی بنتے پوچھا۔“

”کچھ کہہ نہیں رہا مارے ہاتھ کر رہا ہوں!“

”قاسم جھلا کر بولا۔“

”میری وجہ سے تھیں پڑھی تکلیف پہنچی۔“

”دفعۃ گیشا رہندا ہو گیا۔ اور حمید کی ہم رقص سنتی ہوئی بیٹھ کری اور حمید نے بھی اُس

ہاستھ دیا۔“

”مزہ آگیڈ بڑی روکھی چکی کذر رہی تھی!“

”میگی نے کہا۔“

”سچھتی ہو تو ترک ہی کر دو نا۔“

”وہ بیس صرف دنیا کیجئے نکلی تھی۔“

”اُس کی صحبت میں میں لگی۔“

”عادت نہیں ہے۔“

”وہ زندہ دل ہی نہیں فیاض بھی ہو۔“

”انھیں پھیلنے دو۔“

”اس کی صورت نہیں۔“

”میں صرف زندہ دل ہوں۔“

”اوہ فیاض کا معاونہ کبھی طلب نہیں کیا۔“

”وہ نروان کی تلاش میں ہو۔“

”نہیں۔“

”نروان خود مجھے کہیں تلاش کرتا پھر رہا ہو گا۔“

”اوہ جاؤ اور اپنے پارٹیز کیچھ بھال کرو!“

”وہ مزید شکریہ ادا کر کے اُس کے پاس سے ہٹ گئی۔“

”جمید نماسم کے پاس آیا۔“

”اوہ بھی وہ اچھل کو دنچانی کر خود سے عجیب اپنے اوپر حیرت ہونے لگی۔“

بھل اُسی طرح بیٹا کراہے جارہا تھا!

” ارے۔ ارے... بیکا ہو رہا ہے! ” حمید نے پوچھا!

” اسے لفڑت فرار ہوں اپنے سے۔ ”

” اسے پتا نہیں کیا ہو گیا ہے؟ ” سکی بولی ” کہاہ پے پیٹ میں کوئی چیز انہوں نہیں ہے۔ ”

” زندہ چھپکیاں کھائیا ہو گا! ”

” اورع۔ ” قاسم نے زور دار اول بکانی لی اور راہ بیٹھا! سکی اُچھل کر سمجھے میٹ گئی۔

” میں کسی کو قت کرتے نہیں دیکھ سکتی تم اسے سنبھالو! ” سکی نے کہا اور روشنی ہوئی اپنی

چھولداری کی طرف چل گئی۔

قاسم پچھے قتے کرنے لگا تھا... دور دوزنک اُس کے ڈکرانے کی آوازیں گرد

تھیں اور وہ سب وہاں سے بھیاں کھڑے ہوئے تھے۔ اور حمید قاسم کے سچھے بیٹھا اُس کی لگتی سیں

رہا تھا۔

” اخے... اوغ... خدا نہیں گھارت کر دے...! ”

” میں نے کیا کیا ہے...! ”

” چوب راؤ... ساے! ”

بڑی مشکل سے قاسم نے اپنی طبیعت پر قابو پایا تھا! حمید اُسے سمارادے کو چھوڑا
نک لایا۔ اور ایک اندازے ثانیا۔

” آب کیا ہو گا! ” سکی گھرے ہوئے اندازیں بولی۔

” کچھ بھی نہیں۔ مراتونہیں جارہا...! ” حمید نے کہا۔

” ایسے مردم۔ ” قاسم باختہ لالک بولنا ” ساے لیٹیا جا رہے تھے! ”

اور حمید کو گیٹار کا بینال آیا۔ کہاں گیا گیٹار... ” ادھ کہیں وہ لڑکی تو نہیں پا
کرے گئی۔ چھول داری سے نکل کر دوسرا چھول دار یوں کی طرف چل پڑا۔ گیٹار و صول
ہی کرنا تھا۔

اول درجے کے چور ہوتے تھے۔ اگر کوئی چیزان کے قبضے میں چلی جائے تو چھڑاں کی
والگزاری کارے دار دے! ”

بہر حال حمید گیٹار سے با تھیں و ہونا چاہتا تھا! ان الحال وہی تو ایک دل پہلا نے وال
گیٹار کیا۔

” چیز تھی۔ میکی سے پہلے ملاقات ہوئی اور حمید نے اُس سے گیٹار کے بارے میں استفسار کیا۔

” اور شاید ہڈاے گئی۔ وہی جو بخاری تھی۔ ٹھیں فوراً ہی اُس سے لینا چاہیے تھا! ”

میکی نے کہا! ” اس نے اپنا گیٹار فروخت کر دیا تھا۔ شاید ہی واپس کرے اس کا ساختی خطرناک

آدمی ہے۔ ”

” تم اس کی فکر نہ کرو کہ وہ کتنا خطرناک ہے! ایس تم مجھے ان لوگوں نکا بہنچا دو! ”

” ویسے ہو سکتا ہے کہ اس کا ساختی کسی معمول رتم کے عبور تھا! اگیٹار واپس کر دے! ”

” دیکھا جائے گا۔ تم آگے تو بڑھو! ”

وہ اُسے اس بجھے کے آج چاہ کی پری آگ روشن کئے ہوئے اُس کے گرد بیٹھے تھے۔ ان

بیں دیپی کا پردازوں میں سے بھی تھے... ہڈا گیٹار کو گود میں رکھے اس طرح سہل رہی تھی صیبے

کسی شیر خوار پچ کو سلاسلے کی کوشش کر رہی ہوا حمید اُس کے سامنے با تھے چھپلے کر کھڑا ہو گیا۔

” کیا ہے؟ ” اس نے نکل کر پوچھا!

” میرا گیٹار واپس کرو...! ”

” یہ تو اب میرا ہے! ” وہ ہنس پڑی۔

” چھولا وہ کس طرح! ”

” اس طرح کہ میرے قبضے میں...! ”

” واپس نہیں ملے گا۔ جاؤ! ” ایک سفید فام پری با تھدہ لے کر بولا۔

کار پر داڑھنیوں میں سے ایک بولا۔ ” جاؤ! یا بات نہ بڑھاؤ! ”

” اس میں بات بڑھانے کی کیا بات ہے! میں اپنا گیٹار واپس رانگ رہا ہوں! ”

” جیسا ہوں تھا۔ ”

”اس کی ساختی بڑی نہ میرے ساختھا پانچنے کی فرماںش کی تھی۔ اور گیٹار یہ مجھ سے لے کر
بجائے گئی تھی!“

”تمہیں نہیں دینا چاہیے تھا!“

”میں وصول کروں گا۔ روہیلہ بھٹان ہوں۔“

”جھگڑا کرو گے۔“

”یقیناً۔“

اور مجھے اُمید ہے کہ تم دونوں ان کا ساختھا نہیں دو گے کیونکہ تم مجھے
پھٹان معلوم ہوتے ہو۔“

اُس نے اپنے ساختی کو اٹھتے کا شادہ کیا۔ اور بھروسہ دونوں والوں سے چدے کئے۔
ہلاکا ساختی حقارت آمیر مسکراہٹ کے ساختھا جمید کو دریکھے جا رہا تھا۔

”میں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ گیٹار والیں کر دو۔“

”بہت ہو تو یہ لو۔“ بلدا کا ساختی ٹھٹھا ہوا بولا۔ جمید اس طرح جھکا جیسے بلدا
سے گیٹار جھین لے گا۔ دوسرے ہی لمبے میں غیر ملکی پتی نے اُس پر چھلانگ لگائی۔ لیکن جمید
گیٹار کے لیے تو نہیں جھکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دوسرے لمبے میں کیا ہونے والا ہے۔ لہذا بڑی
پھرتی سے ایک طرف ہٹ کر پتی کی پیشانی پر زور دار ٹھوک رہید کی۔ اور یوں لہذا ہو کر ڈھیر
گیا!... دوسرے میں بھی اٹھ کھڑے ہوئے لیکن الاؤ کی روشنی میں انہوں نے ایک بلے بھل
والے چاقو کی چمک دیئی!“

جمید چاقو اپر کر رہا۔ اسے تو ایک گھنٹے سے پہلے ہوش نہیں آئے گا۔ اگر تم سے کوئی
موت کا مراحلپھتا چاہتا ہو تو اگے بڑھ۔ لیکن وہ جہاں تھے وہیں کھڑ رہے۔

بلدا چخ پرخ کر جمید کو گایاں دے رہی تھی۔ پھر اس نے گیٹار اس پر کھینچ مارا۔ جمید
غافل نہیں تھا! اس نے ہمایت انسانی سے اُسے باٹیں باختہ سے روک کر پکڑ دیا۔ پھر اس نے

بڑی خوشی سے ”شب بخیر کہا اور والپی کے لیے مڑ گیا۔ میگی اور دونوں کار پر داتا پتی جو
دور کھڑے یہ سب پچھلے دیکھ رہے تھے جیسا کہ جمید کی طرف آئے۔“

”یار واقعی بات کے لئے ہو!...“ ان میں سے ایک بولا۔

”اگر عقصہ نہ آجائے تو بھر شریف اور امان پسند آدمی ہوں!“

”چلو... چلو... یہاں سے چلو...!“ میگی اُس کا بازاں و پکڑ کر بولی۔

جمید اُس کے ساختھا چل پڑا۔

”بہت اچھا ہوا۔ اُس کا غزوہ توڑ دیا تھا!“ میگی نے کہا۔ ہر ایک سے چھین جھپٹ

تار تھا تھا۔ میرے پار شریف کو ایک بار مارا بھی تھا!“

جمید کچھ نہ بولا۔ وہ کہتی رہی: ”میں تو قدر ہی تھی کہ کہیں پٹ نہ جاؤ۔ شکا گوئیں اس

بیت قتل کئے تھے خوب نہیں پایا کرتا ہے!“

”میں ہر وقت مرتے کے لیے تیار رہتا ہوں اس لیے کم ہی مار کھانا ہوں!“

”اوہ کچھ دیرا دھر پیچھیں...!“ وہ ایک دیران جگہ پر رکنی ہوئی بولی۔

”ضرور ضرور!“ جمید نے کہا۔ اُس کے دامنے ماتھیں اب بھی کھلہ ہوا چاقو تھا

۔ باشیں میں گیٹار۔

وہ ویس بیٹھ گئے اور جمید نے چاقو بند کر کے جیب میں ڈال دیا۔

”مہارا اسٹائل بہت شامار تھا!“ میگی پولی۔

”اسٹائل دکھانے کا موقع ہی کہاں ملا۔ وہ یہوش ہو گیا تھا اور دوسرا اپنی جھوٹوں

پہلے بھی نہیں تھے یا۔

”تم پہلی بار ہمارے شریک ہوئے ہو!“

”تو کیا تم بہت دونوں سے اوہر کے ٹپ کو رہی ہو؟“

”ہاں... کچھ ماہ ہو گئے۔ ہر پندر ہو جی دن اوہر جلتے ہیں!“

”پکڑ وحدت دیں ہوئی!“

”نہیں۔ لیس پھر اوہر ہی دھکیل دیئے جاتے ہیں!“

دو ہم تینوں کے علاوہ تم میں اور کوئی نینا آدمی نہیں ہے!“

"لے بیس کیوں نہیں۔ نہارے علاوہ بھی پانچ آجی اور میں اے"
"کیا ادھر سب سستی چرس ملتی ہے۔"

"ہمیں تو مفت ملتی ہے اور پیسے بھی ملتے ہیں!"
"کون دینا ہے۔!"

"وہ چھ آدمی ہیں۔ ان میں سے درجہ بٹ کے تھے انہی پچھلیں شامل ہیں۔ وہ ادھرے جلتے ہیں۔ چرس بھی دیتے ہیں اور پیسے بھی دیتے ہیں!"

"بڑی عجیب بات ہے۔! انہوں نے ہم سے تو ایسی کوئی بات نہیں کی!"

"ہر ایک سے نہیں کرتے۔ وہ مرے اپنے پیسوں ہی سے حزیرتے ہیں۔ مثلاً آدمی جیسے تم نیزوں ہو۔ اور وہ پانچ آدمی۔ یہ اپنے پیسوں ہی سے حزیری گے!"

"لیکن وہ چھ آدمی ایسا کیوں کرتے ہیں۔ انہیں اس سے کیا فائدہ ہیختا ہے!"

"ہمیں اس سے کیا سروکار ہم اس کے پارے میں سوچتے ہی نہیں اپنے کام سے رکھتے ہیں؟ پہلے ہم بھی خود ہی حزیرتے کے قابل تھے۔ لیکن جب مفاسد ہو گئے تو انہوں نے سارا اور یا۔"

"اوہ۔ مجھے بھی اس سے کیا سروکار۔۔۔ مجھے تو سستی چرس چاہیے!"

"جب مفاسد ہو جانا تو انہیں بنا دینا وہ تم پر بھی عنایت کریں گے!"

"جمید کچھ نہ پولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ مزید معلومات کس طرح حاصل کرے۔ اس سے سوالات نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے مقصود کا انہمار ہو جائے۔ وہ بڑی معصومیت سے بات کر رہی تھی۔ لیکن کیا اُسے مقصد کا علم نہ رکھو گا۔

ختوڑی دیر بعد اس نے کھنکار کہا "ہم اتنی حزیری گے کہ ہمارا کم از کم ایک بد بخوبی گذر جائے۔" گیوں ہم آگے بڑھنے کا رادہ رکھتے ہیں۔ ہمارے ساتھ جو لوگی ہے دلائے اسکا کارہے اور آثار قدر کے اس کا موضوع ہے اور میں تیز ازم پر ایک کتاب لکھ رہا ہوں۔ شامائی دوسرا بار تم وہ لوگوں کو اپنے قاتلے ہیں نہ دیکھو۔"

"کتابیں لکھنے والے چاقو باڑ نہیں ہوتے۔ تم تباہی کیا چڑھ رہو!" وہ نہیں کوپولی۔
"وفوج سے نکالا ہوا ہوں۔ من یہ تقیم حاصل کرنے امریکا چلا گیا تھا! اول مہاگر کرن جی
سے ملاقات ہو گئی اور اس حال کو پہنچ گیا۔
"وہ مگر تم تنہا ہو۔!"

"نہیں تو وہ دونوں بھی ہیں۔!"

"تمہاری کوئی پارٹی نہیں ہے۔!"

"جب پیدا ہو گی تو سیدھی میرے پاس چلی آئے گی!"

"تم ہمیشہ میں معلوم ہوتے۔"

"وہیں نے حصول علم کیے یہ دفعہ اختیار کی ہے زندگی کی دشواریوں سے نہیں
سکا ہوں۔"

"ایسے ہی لگتے ہو۔ اگر بیمار شہزادی نہ ہوتا تو میں نہارے یہ اُسے چھوڑ دیتی۔

ے حالات میں اُس کا دل نہیں رکھانا چاہتی۔ لیکن مجھے لقین ہے کہ وہ جلد ہی مجاہد کا
حیمد خاموش ہی رہا۔

"لیکن وہ اڑکی تو بہت بور معلوم ہوتے ہے!" میگن نے کچھ دیر بعد کہا۔

"وہیں نے تھیں بتایا ناکہ لکھنے پڑھنے والی لڑکی ہے!"

"بہر حال ہوشیاری سے سونا۔ وہ سب تم لوگوں کو بہت مالدار تھیت ہیں اور

یک کوز جنی بھی کر چکے ہو۔!"

مشورے کا شکریہ میں جمال رکھوں گا۔ اچھا اب چلوں میرے سا سختی کی طبیعت

نہیں ہے!"

"میں اس رقم کا معاوضہ ادا کرنے کو تباہ نہیں۔"

"میں نے اس نیت سے نہیں ویحتی۔ جاؤ آرام کرو!"

جمیداً ٹھکرائے کے بڑھ گیا۔ میگی وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔

و مجھے علم نہیں جناب... ویسے اس کا شمار بیماں کی قابل ذکر شخصیتوں میں کبھی نہیں رہا"

"و خان شہباز سے اُس کے تعلقات کیسے تھے؟"

"و انہیں اس سے کسی قسم کے بھی تعلقات رکھنے کی کیا ضرورت ہوئی تھی جناب؟"

"میں نے یونہی سوال برائے سوال کیا تھا!"

"میں نے کبھی اُس سے ایس۔ پی صاحب کے ساتھ نہیں دیکھا!"

"و لیکن شاید شکوہ آباد سے روائی سے قبل وہ اُن سے ملا تھا!"

"و مجھے اس کا علم نہیں جناب۔"

"و دفعہ بائیں جانب سے ایک فائزہ ہوا اور لینڈ رُز اچھل کر رہ گئی۔ شام اس کا

روٹی خوار نشانہ بجا گیا تھا!

اگر فریدی جیسیں جائے تو نہیں کام آدمی طور پر زندگی کر رہا تھا تو کافی یقیناً اُنٹ کی

مرتی۔ فریدی نے بڑی پھر تی سے دوسرا طرف کا دروازہ کھولا اور انپکٹر یوسف زنی کو ہوا

حکیلہ ہوا خود بھی نیچے کو دیگا۔

ایک فائزہ چھپ ہوا اور کوئی اُس کے اوپر مت گزرنی۔

"وو... دیکھا آپ نے؟" یوسف زنی ہانپتا ہوا بولا۔

"اوھر اس چنان کے بچھے جلدی کرو۔"

فائزہ چھپ رہوا۔ فریدی نے بھی بغلی ہو ستر سے روپور نکال لیا تھا۔ لیکن ابھی تک ناہر

نہیں کیا تھا جلد سے جلد ایسی جگہ بخیج جانا چاہتا تھا جہاں سے سچوشن کو مینڈل کر سکتا!

یوسف زنی نے بتانی ہوئی جلد تک پہنچنے میں دیرمیں رکافی بخی اور اس نے بھی روپور

نکال لیا تھا۔

فریدی بھی اس کے قریب ہنچ گیا۔ اچاہک اس جگہ سے ہٹ کر تیسرا فائزہ چھپ رہا۔

فائزہ کرنے والا ان سے نیادہ اونچائی پر تھا۔ اس بار انپکٹر یوسف زنی بال بال بچا۔

سرٹک پرسی کاٹری کی اوراز سنائی بخی اور بیک وقت کی فائزہ ہوئے۔ جن کا جواب



زری کوہ کی شکارگاہ۔ شکوہ آباد سے ستواخمارہ میں رہی ہو گی۔ کسی قدر اونچائی پر
بھی واقع تھی اس یہ راستہ پچھے اور تھا! فریدی خود ہی لینڈ رُز اپنیور کر رہا تھا۔ سرٹک سننا
نہیں تھی۔ اُس کے پچھے خاصاً تر لٹک تھا۔ جس میں دونڈنگ ٹرمس کی تعداد زیادہ تھی۔
شہباز کا بیچا ہوا آدمی انپکٹر یوسف زنی فریدی کے قریب ای اگلی سیست پر
بیٹھا ہوا تھا۔

"دنکار میں وہ تھا تو نہ ہو گا!" فریدی نے کہا!

"زری کوہ کے خان عبدالرحمن کا لڑکا سلیم اُس کے دوستوں میں سے ہے جناب۔
وہی اُسے شکار کھلا رہا ہو گا۔"

"آپ دیکھنا یہ ہو گا کہ وہ کتنے دنوں سے ان لوگوں کے ساتھ مقیم ہے؟"

"اُس نے معاملہ پکا کر دیا ہو گا جناب۔ بیوقوف آدمی نہیں ہے اور خان عبدالرحمن
تو حکومت اونچت کے بڑے خالقوں میں سے ہے۔"

"خان شہباز نے اُس کے بیے کچھ نہیں کہا!"

"کارروائی اُنکے خلاف ہو سکتی ہے جناب جو کھل کر سامنے آجائیں!"

"یہ بھی بھیک ہے۔"

"آب بائیں طرف موڑ لیجئے جناب! اوھر بائی سے ہم خان عبدالرحمن کی حوصلہ پر
سلیں گے۔" انپکٹر یوسف زنی نے کہا۔ فریدی نے اس کے مشورے پر عمل کیا۔ اس
سرٹک پر جن اکا کاٹری بیان و کھاتی و تیکی بھیں۔

"شیر انکن کارچان کس سیاسی پارٹی کی طرف تھا؟" فریدی نے انپکٹر یوسف زنی
سے سوال کیا۔

اسی جگہ سے دیا گیا جہاں سے ان دونوں پر تفسیر انا لڑھا تھا۔ اس بار فریدی کے ریپ اور سے ادمی خاموش کھڑا رہا۔
بھی شعلہ نکلا۔
کئی دورستے ہوئے قلعوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اوہرستے پھر فریدی کی تھاکر
فریدی کا ریوال اور محبی اُسی سمت چل گیا!... اور پھر ایک طویل کراہ سنائی دی... پھر سنا
چھا گیا۔

دفعہ سرداک کی جانب سے آواز آئی "آپ نے اُسے مار لیا ہے جناب!"
یوسف زنی ہرستے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا تم مجھے اتنا ہی احمد سمجھتے تھے؟ فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں نہیں سمجھا جناب!"

"آف... فریدی سرداک کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ لینڈرور کے قریب ایک لوڈ ٹرک کھڑا دکھانی دیا۔ اور ایک ادمی دوسری طرف والی چنان پر بڑھتا دکھانی دیا۔ دو سماں آدمی اور محبی تھے جو روڈ پر، ٹرک کے قریب کھڑے ہوئے تھے۔

کچھ گھاڑیاں اور رُکی بھتیں۔ لیکن ٹرک کے قریب بڑھے ہوئے ادمیوں میں سے ایک نے ہاتھ ہلا کر سخت لہجے میں کہا "چلتے رہو۔ اپنیسی بیہاں مکھرنے کی مزورت
نہیں ہے...!"

گھاڑیاں اپنی اپنی سمعتوں میں بڑھ گئیں۔ فریدی نے یوسف زنی کو اپنے سمجھے آنکھ
اشارہ کیا اور خود بھی اُسی چنان پر بڑھنے لگا۔ چنان کی دوسری طرف ایک ادمی چاروں خانے
چست پڑا۔ ہماظر آیا۔ جس کی بائیں کپنی سے حزن بہہ رہے کہ اس پاس پھیل رہا تھا۔
یوسف زنی ہرستے سے آنکھیں چھاڑے اسے دیکھنا رہا۔ پھر بخوب کھل کر رہا گیا۔

"دشاید تم اُسے پہچانتے ہو۔" فریدی نے یوسف زنی کے شان پر ہاتھ کو
کر زنی سے کھا۔

"چ۔ ج۔ ج۔ میں نہیں سمجھا!" یوسف زنی بہت زیادہ بد خواس نظر آ رہا تھا۔ دوسرے

وہ پھر لاش کے قریب آکھڑا ہوا اور بولا "وفی الحال شہباز میرا مسئلہ نہیں ہے
اس یہے ابھی اس معاملے کو نہیں اٹھاؤں گا!"

وہ نمیں بچے جاؤ۔" فریدی نے اس سے کہا اور اس نے خاموشی سے تعیین کی۔
"اُن کو بیوی میں سے کوئی تھیں بھی چاٹ سکتی تھی۔!"

"چ... جی ہاں... بال بال بچا ہوں۔ وہ تفسیر افادر... میرے قریب ہی چنان
کا نکشہ اُڑا گھٹا۔"

در اور اب تمہاری زندگی اور زیادہ خطرے میں ہے! کیوں کہ تم علیٰ شاہین چکے ہو۔..."
یوسف زنی بخوب کھل کر رہا گیا!
وہ کیا تم اسے پہچانتے ہو۔..."
وہ ممک... میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔!"
کیا سمجھ میں نہیں آ رہا۔"
"یہ ایسیں۔ پی صاحب کا بہت ہی خاص ادمی تھا!"
"فوس کا کوئی ادمی۔!"
"جی نہیں۔ لیکن ایسیں۔ پی صاحب اس سے بہت ہی خاص قسم کے کام لیتے تھے!"
"تم اسے پہچانتے ہو! المذاباب تمہاری زندگی بھی خطرے میں ہے!"
"وہ میں سمجھ رہا ہوں کر نل صاحب! لیکن اب ہو گا کیا۔!"
"تم نے اسے نہیں دیکھا تھا!" فریدی مسکرا کر بولا "اسی نامعلوم آدمی نے فائزگ
کی تھی اور فزار ہو گیا تھا!"

"جی میں سمجھ گیا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ کر نل صاحب!"
فریدی چنان کے سرے کی طرف بڑھ کر اونچی آوازیں بولتا ہے قریم میری گھاڑی کا دھیل
تبدیل کر رہا۔ اور تم دعویوں اُپر اُفٹ۔"
"وہ پھر لاش کے قریب آکھڑا ہوا اور بولا "وفی الحال شہباز میرا مسئلہ نہیں ہے
اس یہے ابھی اس معاملے کو نہیں اٹھاؤں گا!"

”میں سمجھا جناب!“ یوسف زنیٰ نے کاشتی ہوئی اوازیں کہا۔ وہ بھی تک خود پر
قابل نہیں پاس کا خنا۔

”میں یہاں شیر اُنگن کے قاتل کی نلاش میں آیا ہوں۔ لذبا نظاہر میری مصروفیت
حد تک رہے گی...!“ فربیدی نے کہا اور لادش کی طرف ہاتھ اٹھا کر ”اس کا مطلب تو
عہداری سمجھ میں آہی گیا ہو گا...“

”میرے حواس بجا ہمیں ہیں جناب!“
”جنہیں سمجھا دوں گا!“ فربیدی نے کہا اور ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گیا جہنمیں طلب کیا تھا
”اس لاش کو ہمیں کہیں اسی جگہ چھپا دکہ نلاش کرنے پر مل سکے۔ جہاں چھپا دو بار سے
یہاں تک اس کے خون کے دبھتے اس طرح ڈالتے جانا جس سے معلوم ہو کر یہ خود گھستنا ہوا اور
میک پہنچا ہو اور ختم ہو گیا ہو گیا۔“

”بہت بہتر جناب!“
”آڑھیں!“ فربیدی اس کے شانے پر مل تھا کہ کہ بولا۔ سڑک پر تیسری آدمی اپنی چینی کے برث
کس رہا تھا۔

”اب کہاں چلیں گے جناب!“
”خان عبدالرحمن کی حیلی۔“

بولٹ کس کر اس نے وحیل کیپ چڑھا دیا اور فربیدی نے اس سے کہا ”تم یہیں ہوئے
اوھروہ دونوں کام کر رہے ہیں۔ اس کے بعد تم وہیں پہنچ کر ٹھہرنا جہاں تھہرنا تھا۔“
پھر فربیدی نے یوسف زنیٰ کو گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا! احتوثی ویر بعد لیندہ د

”اس کا یہ مطلب ہوا کہ داور شیر اُنگن کا قاتل نہیں ہے۔ اصل قاتل سے
شہپار اور اقتاف ہے اور اس کا جرم داور کے سر تھوپنے کی کوشش کر رہا ہے۔ تو
ہم دونوں بارڈے جاتے تب بھی یہی کہا جاتا کہ داور نے نہیں اپنے راستے سے

ہشا دیا اور اگر یہ مرتے والا ہمیں ختم کئے بغیر فرار ہو جاتا ہے تو تم بھی یہی سوچیں کہ داور یہی ہوا ہو گا“
”بھی ہاں۔ بالکل یہی سوچتے۔ میں نصوی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن جناب داور کی انگلیوں

کے نشانات ہوتل کے اس کمرے میں ملے تھے جہاں قتل ہوا تھا۔“

”اصل متعجب یہی ہے۔ اس کے حل ہوتے ہی قاتل میری گرفت میں ہو گا! اخاصی پلانگ
کی لگی ہے اس قتل کے سلسلے میں۔“

”وہ بہر حال آج معلوم ہوا کہ شہپار کسی کا بھی نہیں ہے۔ جناب میں بال بال بچا ہوں۔
یقین نہیں آتا کہ زندہ ہوں۔“

”اس حملے سے ایک بات اور قبل از وقت واضح ہو گئی یا؟“

”وہ کیا جناب!“

”اوہر ہمارا موجود نہیں ہے۔“

”بھی ہاں قطعی ورثہ اس ڈرامے کی ضرورت ہی نہ تھی۔!“

کچھ دیر خاہوشی رہی پھر یوسف زنیٰ نے کہا ہم سب بے بس ہیں اس کے باقتوں۔
بسا سی وجہ کی بنابر اُسے جو چھوٹ میں ہوئی ہے اس سے بے تھا شفائدہ اُخبار ہا ہے۔ کیچھ
خون ہو جاتا ہے۔ جب نہیں اپنے ہی بھائیوں، دوستوں، حتیٰ کہ محنوں تک کے خلاف کارروائی
کرنی پڑتی ہے۔ اس کے خلاف کہیں کوئی شناوی نہیں ہے۔“

”وہ اس معاملے کو بھی دیکھا جائے گا۔ اور واے اصل حالات سے آگاہ نہیں ہیں۔“

”آخر یہ سب کچھ کتب تک ہوتا رہے گا!“

”و جب تک اس نظام کی بنیادی خامیاں وورنہ کروی جاییں گی۔ ان کی طرف کوئی
بھی دھیان نہیں دیتا۔ بس جھوہریت کے ڈھولوں پیٹے جاتے ہیں۔ شاید کوئی بھی نہیں جانتا
کہ جھوہریت کس چڑیا کا ہے یا پھر اس کی طرف سے مصلحتاً نہیں ہی پندرہ کی لگی ہیں....
بنیادی چڑی کو اپنے مقام کا عرفان ہے۔ جب تک آدمی اپنا مقام نہیں پہنچا نے گا کسی نظام
کو دھنکت سے نہیں چلا سکے گا۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا اب اس کا سامنا کس طرح کرو دیگا۔ کیا اس رو عمل پر قابو پاسکوں
س کا سامنا ہوتے ہی ہو گا؟“
”بہت محاط رہتے کی ضرورت ہے انسپکٹر۔“ فربدی طویل سائنس لے کر لو لا ایں
ذمہ بین رکھو کہ ہم نے مفروض کا تعاقب نہیں کیا تھا۔ فائزگ بند ہوتے ہی سری کی حن
س یہے تھے۔“

”بہت بہتر جناب... میں کو شش کروں گا کہ اپنے روئے کو خیل رکھ سکوں!“
”دنہ رکھ سکتے تو کم ذکر یہ رنگ تو دے ہی سکو گے کہ اس واقعے نے تمہیں ہلاک
یا ہے اور تمہارے اعصاب قابو میں نہیں ہیں!“
”یہ تو بہت آسانی سے ہو جائے گا جناب!“
”بس تو پھر یہ دیکھا ختنار کرنا!“
”آپ نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے جناب!“

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ میں اب اپنی آنکھیں کھل کھنڈ شیرنگن کے قاتل پر
پڑتے ہی شہیاز کا بھی تختہ اٹ جائے گا۔“
حولی کے قریب پہنچ کر فربدی نے گاڑی روک لی۔ اور اپنا کارڈ اندر بھجوایا۔
عبد الرحمن اسے رسیدو کرتے خودی حولی کے باہر گیا تھا۔ نہیں اندر لے گیا۔ فریدی
پری آمد کی غرض و غایت سے آگاہ کرتے ہوئے کہا ”ڈاؤن پر ایک قتل کا شہر کیا جا رہا ہے؟“
”کس کے قتل کا شہر کیا جا رہا ہے؟“ خان عبد الرحمن نے پوچھا!
”شکوہ آباد کے شیرنگن کے قتل کا۔“

”اوہ۔ میں نے اخبارات میں اس کے بارے میں پڑھا تھا۔ لیکن داور پر کیوں
لیا جا رہا ہے وہ کسی کو قتل نہیں کر سکتا!... جی ہاں... وہ یہاں آیا تھا۔ لیکن اس قتل
ہی کی بات ہے۔ میرے بیٹے کا دوست ہے۔ دو دن قیام کر کے چلا گیا تھا۔“
”د کھاں چلا گیا تھا۔“

”محجھ تو علم نہیں۔ شاید سیم جانتا ہو مکھر ہیئے میں اُسے بُلواتا ہوں!“
”میں بالکل تہنائی بین اُن سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں!“
”تو چلے میرے ساتھ۔ وہ اپنے کمرے میں ہو گا۔“
فریدی نے یوسف نتی کو دیں میٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور خان عبدالرحمٰن کے
ساتھ ہو لیا۔

سیلم اپنے کمرے ہی میں موجود تھا!

”یہ کرتل فرنیزی ہیں!“ عبدالرحمٰن نے تعارف کرتے ہوئے کہا۔ تم سے تہنائی نہیں
لگنگو کرنا چاہتے ہیں!“

”ضور ضرور جناب تشریف رکھئے... بالقین نہیں آتا کہ آپ یہاں تشریف کائیں!“
”آپ کے کیسوں کا دکر برٹھے پیار سے کرتا ہے!“ خان عبدالرحمٰن نے کہا۔ اور
انہیں دیں چھوڑ کر چلا گیا!

”محجھ داور سے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں!“ فریدی نے کہا۔

”دادور کے متعلق؟“ سیلم نے چونکہ کر پوچھا۔“

”ہاں وہ آپ کے دوستوں میں سے ہے!“

”جی ہاں...“

وہ یہاں سے کہاں گیا تھا!

”یہ تو نہیں بتایا تھا۔“

”وہ دوران قیام میں کس مقام کی لگنگو کرتا رہا تھا۔“

”آپ لقین تھے کریں گے لیکن زیادہ تر آپ ہی سے متعلق لگنگو ہوتی تھی۔“

”محجھ سے متعلق!“

”جی ہاں... اُس کا جیال تھا کہ شکوہ آباد کو آپ کے علاوہ اور کوئی شہیاز
نگات نہیں دلا سکتا ہا۔“

”بات میری سمجھ میں نہیں آئی“
کیا آپ کو علم نہیں ہے کہ شہباز ہم پر کیسے مظالم ڈھارتا ہے۔!
”ہے تو...“

وہ بس داور کا کہتا تھا کہ شہباز کی ایک رُگ میرے ہاتھ آگئی ہے اور اسے
کرنل فریدی تک متروکہ پہنچاوں گا۔
”ذرائعیں سے بتائیے۔“
وہ تفصیل تو اس نے خود مجھے بھی نہیں بتائی تھی۔!
”اور کیا کہتا تھا۔“
”بس یہی کہ میری اسکیم مکمل ہو گئی ہے جلد ہی دارالحکومت کی طرف قدم آئے
جائے گا۔“

وہ لیکن آپ جانتے ہیں کہ کیا ہوا ہے۔ فریدی نے پرتشویش لمحے میں کہا۔
”جی نہیں، اس کے بعد کی تجھے خرچ ہیں۔!
”وہ شیرا فلگن کے قتل میں ملوث ہو گیا ہے۔!
”نہیں،“ سیلم اچھل پڑا۔
”جی ہاں۔ ہوش کے اس کرے میں جہاں شیرا فلگن کا قتل ہوا تھا، داور کی
انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔“
”میں تصور بھی نہیں ترسکتا۔ نہیں جناب ہرگز نہیں۔ شیرا فلگن صاحب کا نام
تو وہ بڑے احترام سے لیتا تھا۔ انہیں اپنا استاد کہتا تھا۔ کہتا تھا کہ مجھے شیرا فلگن پی نے
آدمی بنایا ہے۔!
”غائبًا آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ قاتل فرار کس طرح ہوا تھا!“

”میرے خدا۔ پیرا شرٹ... نہیں نہیں۔ اسی نہیں ہو سکتا۔!
”دنی اتحاد تو یہی ہوا ہے۔ شہباز کو بھی داور ہی کی تلاش ہے۔!
”

”یقینی کچھے۔ داور کے خلاف کیس بتایا جا رہا ہے۔ کاش مجھے معلم موتا کہ شہباز
کی کون سی رُگ اس کے ہاتھ آگئی بھتی۔ اگرچہ یہ معلوم ہوتا کہ اس پر قتل کا ذمہ آئے والا
ہے تو کسی نہ کسی طرح اسے سب کچھا اُن دیسے پر مجبور کرتا۔ اف... دیکھئے، کیا یہ نہیں
نہیں ہے کہ داور اور شیرا فلگن ایک ساتھی دارالحکومت کے ہوں۔!
”وہ توثیق موجود ہے کہ دونوں کسی نہ کسی وقت وہاں تجھا ضرور ہوتے تھے۔“

”آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔“ سیلم بولا۔ ”میں یہ کہہ رہا تھا شیرا فلگن اسے
ساتھی کے لیکھا ہو۔“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے سیلم صاحب! مقتول کے کمرے میں بہر حال اس کی
انگلیوں کے نشانات ملے ہیں!“

”آپ پھر نہیں سمجھے۔ کیا یہ نہیں کہ دونوں مخدہ ہو کر ایک ہی مقصد کے حصول
کیلئے دارالحکومت کے ہوں! اور وہاں کسی اور نے شیرا فلگن کو قتل کر دیا ہو۔!
”لیکن داور کہاں غائب ہو گیا!“

”شہباز احمد تو نہیں ہے۔ پنی آنکھیں کھلی رکھتا ہے! ہو سکتا ہے اسے علم ہو گیا
ہو کہ داور اس کے کسی راز سے واقع ہو گیا ہے جسے وہ اس کے خلاف بثوت کے طور
پر استعمال کر سکے! میں دراصل یہ کہنا چاہتا تھا کہ جو بات داور نے مجھے نہیں بتائی تھی
اسے شیرا فلگن سے بھی پوچھ دکھا رکھا ہو۔ ان دونوں کے ایسے ہی تعلقات تھے۔ پچھن پی
سے وہ شیرا فلگن سے بہت مانوس تھا اور اسے اپنا آئیڈیل بھی کہتا تھا۔“

”بات پھر بھی نہیں بھی سیلم صاحب!“

”وفعتہ“ سیلم بوکھلا کر کھڑا ہو گیا اور مفتر بائز اداز میں بولا۔ ”میں داور بھی ٹھکانے
نہ لکھا گیا ہو۔“ اگر وہ دونوں ساتھی کے تھے تو شیرا فلگن کے کمرے میں اس کی انگلیوں
کے نشانات کا یا جان بیچالہ زیماں نہیں ہو سکتا!“

”لیکن شیرا فلگن اس کرے میں تھا مقیم تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”کسی اجنبیا ط کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ دونوں ایک دوسرے سے دور دور بھی رہ سکتے تھے ایکن ان کی ساری احیان میں تدبیریں اس فروکی وجہ سے بیکار ہو گئی ہوں جس کی نظر پہلے ہی سے اُن پر ہی تھیا!“
”آپ کا یہ مفوضہ خاصا جائز ہے! اور اس اکشاف کے بعد میں کوہ شہباز کے خلاف کوئی بثوت مجتنک پہنچانا چاہتا تھا۔ اس کیس نے کم از کم میرے ذہن میں ایک نیمارن اخیتار کر لیا ہے۔“

”جلد کچھ کچھی کرنل صاحب!“ سیم ماضطرا نہ اندھیں بولا۔ ”خدا کرے دا ورنہ ہو۔ اودہ بھی مارڑا لیا ہے تو اس کی بے گناہی کا بثوت کون دے سکے گا۔ مفروقات کی حیثیت سے پولیس کے ریکارڈ میں دفن ہو جائے گا!“

”آپ بہت ذہنیں ہیں!“
”لیکن کیا فائدہ میں اس کے لیے کچھ بھی تو نہیں کر سکتا!“
”مجھے یہ اطلاع شہباز ہی سے ملی تھی کہ دا ورنہ کوہ میں پہاڑی مکروں کا شکار کیلیں رہا ہے...!“

”خداوند!... بت تو مجھے دا ورنہ کی زندگی کی طرف سے مایوس ہی ہو جانا چاہیے!“
ان مردوں نے اُس سے مارکر اس کی لاش بھی غائب کر دی۔
”نتالج اخدر کرنے نیں جلدی نہ کیجئے... بیہ بھی تو ملکن ہے کہ دوہ خود ہی روپوش ہو گیا ہو۔ اپنی زندگی کے تحفظ کے لیے...!“

”جی ہاں! پوری طرح میری آنکھیں کھل گئی ہیں!“
”لہذا دا ورنہ۔ شیراںکن اور شہباز کے مشینت پر اس واقعے کی روشنی میں دوبارہ نظر ایسے شاید کوئی کام کا لئنہ مل تھا جائے۔“
”اس سلسلے میں اتنا ہی جانتا ہوں جتنا آپ کو پہلے تباچ کا ہوں... وہ بہت کم آدمیوں پر اعتماد کرتا ہے۔ خاص قسم کے کام فرس کے افزادے ہمیں لیتا۔ آپ وہ لاش دیکھیں چکے ہیں!“

”باباک اس سپنچی نخشیں چلی آئی ہیں۔ اور وہ بہت دنوں سے ہماری تاک میں ہے۔ خیر میں اس کی پرواہ نہیں ہے!“
”پھر بھی بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے ویسے میں نے صاف لفظوں میں اُسے آگاہ کر دیا ہے کہ جب تک میں اس کیس کی قیش کر رہا ہوں وہ کسی معاملے میں داخل اندھی نہیں کر سکتا!“
فریدی اُسے جردن و ششدہ رچھوڑ کر دیوان خانے میں آیا جہاں اسپکٹر یوسف زنی اس کا منظر تھا۔

”کہیے کرنل صاحب کچھ معلوم ہوا۔! خان عبدالرحمان نے پوچھا۔
”جی ہیں۔ لیکن سلیم صاحب سے اس مسئلے پر خاصی معلومات افزادہ باقی ہوئی ہیں... آب اجازت دیجئے!“

میری خواہش تھی کہ آپ رات کا کھانا ہمارے ہی ساتھ کھاتے!“
”پھر کچھی۔ اس وقت تو اجازت ہی دیجئے!“
والپسی کے سفر میں رات ہو گئی تھی۔ وہ جلدی ویران نظر آئی جماں اُن پرفاٹر کے ہوئی تھی۔ یوسف زنی آب بھی مضطرب دکھانی دیتا تھا۔ فریدی نے اس سے کہا۔
”آب آپ اس معاملے پر از مرغ فوز لیجئے یہ تو آپ کو معلوم ہی ہو گیا کہ شہباز اپ لوگوں کو کس طرح استعمال کر رہا ہے!“

”جی ہاں! پوری طرح میری آنکھیں کھل گئی ہیں!“
”لہذا دا ورنہ۔ شیراںکن اور شہباز کے مشینت پر اس واقعے کی روشنی میں دوبارہ نظر ایسے شاید کوئی کام کا لئنہ مل تھا جائے۔“
”اس سلسلے میں اتنا ہی جانتا ہوں جتنا آپ کو پہلے تباچ کا ہوں... وہ بہت کم آدمیوں پر اعتماد کرتا ہے۔ خاص قسم کے کام فرس کے افزادے ہمیں لیتا۔ آپ وہ لاش دیکھیں چکے ہیں!“

”کیا وہ پہلے بھی کمبی دا در کے چکریں رہا ہے؟“
”محظی علم نہیں۔ ابا۔“

”کیا لفڑت نادر شجاع شہباز کے دوستوں میں سے ہے؟“
”دیں نے تکمی دنوں کو ایک ساتھ نہیں دیکھا۔ اور تم کمبی نادر صاحب دفتر ہی
میں رکھا فی دیئے یہ بات میں اپنی حد تک کہہ رہا ہوں یا؟“

”اس سلسلے میں اپنے طور پر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کیجئے گا۔“
”وہ بہت بہتر ہے۔“

شکوہ آباد پہنچ کر فریدی نے شہباز کو زری کوہ کے سفر کی کہانی ستائی اور شہباز
بہت زیادہ پروشن نظر اٹے رہا۔ اور میرزا گنبد پسند مارکر بولا۔ ”میرا دعویٰ ہے کہ خان
عبد الرحمن نے اُسے پھینپا کر کھا ہے۔ اور وہ حرکت اُسے کے آدمیوں کی ہو گی۔ وہ ایک
مرکش قبیلے کا سردار ہے۔ آپ فکر نہ کریں امیں زری کوہ کو الٹ پلٹ کر کھو دوں گا۔ اور
اس فائر ہنگ کے ذمہ وال جلد ہی آپ کے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے۔ اس وقت فرار
ہو گئے ہیں تو نیا ہوا۔ ایک ایک پر میری نظر بھے ہے؟“
”وہ نہیں!“ فریدی با تھدا ٹھکر کر بولا۔ ”فی الحال سکوت اختیار کیجئے میں اس معاملے

کو اپنے طور پر نپنڈاں گا۔“
”خدا کی پناہ... گر آپ دنوں کو کوئی گزند پہنچا تو میں سی کو منہ دکھانے کے قابل
نہ رہتا۔ میرے علاقوں میں فرس پر کوئی حملہ اور ہر... ناممکن قطعی ناممکن اس کا پچ جانا۔
وہ فی الحال آپ میری خاطر صبر کیجئے!“

”دیں اس سلسلے میں آپ کی صرفی کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اٹھانا چاہتا۔“
”شکریہ سا خان شہباز۔“

پروفیسر خلیجی غصہ میں آپ سے سے باہر ہو رہا تھا اور رضاوت دور کھڑی ہیں ری تھی۔
”آخر تو کتنی سیاہی ملتے گی میرے چہرے پر۔!“ وہ زور سے چیخا!
”وہ کہاں۔ اتنے تو گورے چڑھنے کا ہے ہیں!“ رضاوت اٹھلا کر یوں۔
”آخر تو نے یہ جھوٹ کیوں بولा۔ کہ ناد اپنی راتیں ہمیں لا پہنچی میں گذاتا ہے؟“
وہ تو کیا میں اس پر شیر افغان کے قتل کا الزام آجائے دیتی۔!
”جہنم میں جھائے وہ ۰۰۰ ہم گیوں ہمدردی کریں۔“
وہ صرف آپ کو اس سے ہمدردی انہوں نے مجھے تو ہے۔!
”مجھے اس سے ہمدردی ہے۔ اس سے جس نہیں اس حال کو پہنچا دیا ہے؟“
”تم پھر ہمکنے لے گئے ہیں۔ کیا تمہیں اپنی زندگی پیدا کی نہیں ہے؟“
”اوہ خداوندوں کیا کروں؟“ پروفیسر دنوں ماہتوں سے اپنے بال فوجنے کا
ہاں یہ مناسب ہے!“ رضاوت سنجیدگی سے بدل! اس طرح دل کا خبار بھی تکل جائے
گا اور تمہیں کوئی کمزوری بھی نہیں پہنچے گا۔“
”تو کبھی بیٹی ہے خبیث!“ پروفیسر علوق پھاؤ کر چیخا۔
”دوسری بیٹیوں سے کسی قدر مختلف ہے۔“
”سید جی جہنم میں جائے گی۔!“
جہنم کا کچھ نہ کچھ صرف تو ہونا ہی چاہیے۔ آخر بنا ہی سی یہ کی ہے؟
”مجھے سے تو شیطان بھی پناہ مانگتا ہو گا۔!“
”میں شیطان سے آدم و حوا کا انعام لے رہی ہوں۔“
”وہ دوڑ ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے ہے!“
ٹھیک اسی وقت نادر شجاع مکرے میں داخل ہوا اور انہیں اس حال میں دیکھ کر
ٹھنک گیا۔
وہ پروفیسر ایسا انکرا نے دکھ جیسے عنابر سے ہوا نکل گئی ہو۔ عصہ کی وجہ

”دیہ تو کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر عصمه کیا جائے!“
 ”بالکل نہیں۔ بالکل نہیں... پروفیسر جلدی سے بولا۔“
 ”جلو چھوڑو اور میرے ساتھ۔ بالکل صوانہ باختہ ہاکر بولو۔“
 پروفیسر انہیں بے بسی سے دیکھتا رہا۔ رضوانہ اسے لا بُریری میں لانی۔ اور
 بولی ”یہ رہا تھا راستہ۔ اور یہ سگرٹ کے توئے بکھرے پڑے ہوئے ہیں!“
 ”لیکن تم نے یہ سب کچھ اتنی جلدی کیسے کر دیا تھا؟“
 ”اُس کی کال میں نہیں رسیور کی تھی۔ نام معلوم ہوتے ہی فراہم تھا راجحیاں آیا کہ
 شاید تمہارے ہی ہمارے میں پوچھ چکھ کرنے آ رہا ہے۔ یہ میں نے جلدی جلدی یہ انتظام
 کر دیا۔“
 ”تم واقعی بہت تیرہ ہو۔ پہلے وہ گھر گیا تھا جیسی سے معلوم ہوا ہو گا کہ میں اپنا زیادہ
 تروقت یہاں گذرتا ہوں... لیکن رضوانہ کہیں پروفیسر اُوٹ نہ ہو جائیں۔!“
 ”غیرہ کرو... انہیں ہینڈل کرنا جانتی ہوں...!“
 ”اسی لیے میں کہتا ہوں کہ جلد از جلد ہماری شادی ہو جانی پڑے ہے!“
 ”بلوں مت کرو۔ مجھے لفظ شادی سے فخرت ہے!“
 جنریہ بعد کی باتیں ہیں۔ بہت مختاطر رہنے کی ضرورت ہے!
 ”فکر نہ کرو۔ میں پوری طرح ہوشیار ہوں۔“
 ”پتا نہیں کس طرح یہ بات آؤٹ ہو گئی؟“
 ”آؤٹ ہو گئی!“ رضوانہ نے حیرت سے دہرا دا۔
 ”ہاں کچھ لوگوں کو اس کا علم ہو گیا ہے!“
 ”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا یہاں ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی تیسرا نہیں ہے
 ڈیڈی پر میں کڑی نظر رکھتی ہوں!“
 ”انہیں یہ باور کرنے کا ہو کہ میرے ساتھ ہی ان کی گردان بھی کٹ جائے گی۔!“

خدو خال میں جو تیکھا پن پیدا ہوا تھا یکلخت ڈھیلہ پڑ گیا۔
 ”کیا قسم ہے؟“ نادر نے پوچھا!
 ”وہ کرنل فریڈی آیا تھا۔ تمہارے بارے میں پوچھ کچھ کہ رہا تھا!“
 نادر نے پروفیسر کو گھوڑ کر دیکھا اور پروفیسر سے جلدی سے بولا۔
 ”دیں نے اپنی زبان قطعی بذرکی تھی۔ اسی سے باقی ہوئی تھیں!“
 ”کہا باتیں ہوئی تھیں؟“ نادر نے رضوانہ سے پوچھا اور رضوانہ اسے بتانے لگی کہ کس
 طرح اس نے اس کی موجودگی شکوہ آباد میں ثابت کر دی تھی۔
 ”میرے باختہ صاف ہیں۔ میں نے اُسے نہیں قتل کیا!“
 ”لیکن مشتبہ ہو۔ اگر قتل والی شب یہاں ہماری موجودگی ثابت نہیں کی جائے
 کی تو دھریے جاؤ گے۔“ رضوانہ نے کہا۔
 ”میں شکوہ آباد ہی میں رہا ہوں اُس وقت سے جب وہ دارالحکومت گیا تھا۔“
 ”لیکن مجھے تو پورے پچھے دن بعد دکھانی دیئے تھے!“
 ”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“
 ”اچھی بات ہے!“ رضوانہ غصیلے بچے میں بولی ”تو ثابت کرو... یہاں اپنی موجودگی!“
 ”میں جہاں بھی رہا ہوں تھا ہم ہوں۔ اس نے کسی قدر دشواری مزروعیش آئے
 کی۔ لیکن تم اچھی طرح جانتی ہو کہ کرنل فریڈی میرا بابا بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ ہاں یہ پروفیسر
 بیکوں گرم ہو رہے تھے!“
 ”وہ پروفیسر کو گھوڑ نے لگا۔ اور پروفیسر کی حالت پہلے سے بھی زیادہ خراب نظر نے
 ملی... آنکھوں کی وحشت تک غائب ہو گئی تھی اور اُس کی جگہ خوف نہ لے لی تھی۔
 ”کچھ نہیں کاک... کچھ نہیں ایک گھر بلو معاملہ تھا!“ وہ بدقت بولا۔
 ”وہ نہیں گھر بلو معاملہ نہیں تھا۔ انہیں اس پر اعتراض تھا کہ تم اپنی راتیں لا بُریری میں
 بیکوں گذارتے رہتے ہیں۔“

”میں نے اچھی طرح سمجھا دیا ہے!“ تھیں بس میرے اور تمہارے تعلقات پر اتفاق ہے؟“
”اسی یہے تو کہتا ہوں کہ شادی - !“

”بس بکواس بذرگ روشنہ و چار لامبے جھاڑوں گی - !“

”جانتے والوں کے درمیان بھی چہ میگوٹیاں ہوتی ہیں!“

”ہونے دو - !“

”آخر اس میں حرث ہے کیا ہے؟“

”و شوہربن جانے کے بعد تم میرے ہاتھوں سے بٹ نہ سکو گے۔ تمہاری اناب مرد ہوگی!“

”قطھنی نہیں ہوگی... سب کے سامنے تو مارقی نہیں ہو۔“ وہ مسمسی صورت
بنائکر پول۔ اور رضوانہ بیساخند مہنس پر پھر بولی ”اول درجے کے ملکار ہو!“

”د جو کچھ بھی ہوں۔ تمہارے ہوں۔ قسم لے جو بھی کسی اور کی طرف آئکھا، ڈھا کر دیکھا
بھی ہوں!“

”د اگر دیکھو بھی تو کیا افرق پڑے گا؟“

”یعنی تم کسی دوسرا یہ دورت کو برداشت کرو گی!“

”لیکن اپنا بشریک میرا حق ملکیت برقرار رہے اتم جو سے اسی طرح پہنچ رہو!“

”پتا نہیں یہ ماں پیٹ تھیں اتنی پسند کیوں ہے!“

”میں خود بھی نہیں جانتی۔ جب بھی بھی عشقے میں ایک آدھ جھاڑ دیتی ہوں۔ گھنٹوں
فرین پر مسرور ساطاری رہتا ہے!“

”خیر۔ خیر اب کام کی بات کرو!“

”و کوئی خاص بات ہے؟“ رضوانہ نے سوال کیا۔

”ہاں... اس بار بات کیسے بنے گی۔ میرا خیال ہے کہ کرنل فریدی کو علم ہو گیا ہے!“

”یہ میری ذمہ داری ہے۔ تم خواہ مخواہ بور ہو رہے ہو!“

”میرا خیال ہے کہ وہ تمہاں نہیں آیا۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں۔“

”ہونے دو۔ میں سب کو دیکھوں گی - !“

فریدی ایک بار بھر نذرہ خاتون سے ملا۔ شیرافگن سے متعلق مزید معلومات حاصل
کرنا چاہتا تھا۔ آج بھی نذرہ خاتون کی آنکھیں متور نظر آرہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے زیادہ
تر روتی تھی رہتی ہو۔

”کیا شیرافگن صاحب! بہت غصہ درآدمی تھے۔“ اس نے نذرہ خاتون سے سوال کیا۔

”بھی نہیں! بہت بخت ہے دماغ کے آدمی تھے۔ شاخوف نادر غصہ آتا تھا۔“

”لیکن ناصر خاں والے معاملے سے معلوم ہوتا ہے...!“

”محضن اتفاق تھا کہ کرنل صاحب اور نہ وہ تو بھی اور پی آوازیں گفتگو بھی نہیں
کرتے تھے۔ وہ فرشتہ تھے۔ البتہ اپنے بعض معمولات میں دخل اندازی پسند نہیں کرتے
تھے۔ ایسے ملکیت پر کسی فدر جنگ بھالا ہے کہ انہمار بھی ہوتا رہتا تھا۔ شاہزادی اور وہ اپنی خانہ کی کھو
رسہے ہوں اور کوئی انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرے تو جنگ بھالا ہے کہ انظاہر
ضرور ہوتا تھا۔“

”اوہ تو وہ ڈاٹری لکھنے کے بھی عادی تھے!“

”بھی ہاں پابندی سے لکھتے تھے!“

”د لیکن وہاں۔ ان کے سامان میں کوئی ڈاٹری نہیں ملی تھی۔ حالانکہ ڈاٹری لکھنے

و اسے کم از کم سفر میں ڈاٹری ضرور ساختہ رکھتے ہیں!“

”میں ان کے بارے میں کیا عرض کر سکتی ہوں!“

”ڈاٹری رکھتے ہوں تھے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی ڈاٹریاں ان کے پاس ہوں گی۔ اگر

لکھنے کے عادی تھے۔“

”بہتر سے معاملات ہیں، کیا آپ کو علم ہے کہ شیراں صاحب مجھ سے ملنے کئے تھے؟“

”جی نہیں! میں جانتی ہو۔“ نذرہ خاون کے لیے میں جرت تھی۔

”میں آپ کو جو کچھ بھی بتانے جا رہوں اُستے آپ کو اپنی ہی ذات نک محدود رکھنا پڑے گا۔“

”ایسا ہی ہوگا۔ آپ مطمئن رہئے!“

”فریدی نے وہ ساری گفتگو دیواری جو شیراں اور اس کے دو میان ہوئی تھی۔ نذرہ خاون جرت سے منڈکھوٹے سنتی رہی۔ پھر یوں!“ میری سمجھ میں تو خاک بھی نہیں آیا۔“

”اہنوں نے اس نامعلوم آدمی کا جو یوں بیان کیا تھا نادر صاحب پر پورا اترت ہے؟“ دو لیکن وہ نادر کی آذان بھی پہچان سکتے تھے اور جتنے کام انداز بھی اُن کے لیے نیا نہ ہوتا۔ آخر یہ سب کیا ہے۔ باہر کے معاملات پر وہ مجھ سے کچھ گفتگو نہیں کرتے تھے!“

”وہ فی الحال اس پر غور فرمائیے کہ یہ حرکت کس کی ہو سکتی ہے؟“ فریدی نے لاہری کی ابھری حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا!

”میں کھل کر بات کروں گی۔“ نذرہ خاون نے طوبی سالن سے کو کہا۔

”میں بھی چاہتا ہوں۔“

”وہ دونوں ایک دوسرے سے شدید نظرت کرتے تھے... اس سے آپ جو تجاوز خذ کرنا چاہیں کر لیں۔“

”کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی آپ کی لامی میں بھی کسی طرح کوئی میں داخل ہو جائے؟“

”جی ہاں ایک چور و روانہ بھی ہے اور نادر اس سے واقف ہے!“

”میں آپ کا بچہ مشکوڑ ہوں خاون!“

”میں اُن کے قاتل کو پھاشی کے تختے پر دیکھنا چاہتی ہوں خواہ وہ میرا بیٹا ہی کیوں نہ ہو!“

”دو لیکن محرب مقتل کی وجہات ہوتی ہیں۔ یہ قتل فوری اشتعال کے تحت ہوا ہوتا۔“

”جی ہاں درجنوں ہیں۔ لاہری میں ڈائریوں کے لیے ایک الماری مخصوص ہے!“

”کیا میں اُن پر ایک نظر ڈال سکوں گا!“

”کیوں نہیں۔ آپ سے میرے ساتھ۔“

”وہ اُسے لاہری میں لانی۔ اور جہاں تھی جرت زدگی کے عالم میں وہی کھڑی رہ گئی۔ الماریوں کی ساری کتابیں فرش پر بھری پڑی تھیں۔“

”یہ کیا ہوا۔ اور کس نے کیا ہے؟“ وہ فریدی کی طرف مرڑ کر بولی۔

”ڈائریوں والی الماری...!“

”نذرہ خاون نے ایک الماری کی طرف اشارہ کیا۔ لیکن وہ بھی خالی نظر آئی اس کے بعد فریدی نے ساری کتابیں اُنٹ پڑت ڈالی تھیں۔ لیکن اُن میں ایک بھی ڈائری نہ مل سکی۔“

”آپ کو لقین ہے کہ اس الماری میں درجنوں ڈائریاں تھیں!“

”میں یہاں تھی ہوں کرنل صاحب جوچے لقین کیوں نہ ہوگا!“

”آپ یہاں کب سے نہیں آئیں۔“

”اس حادثے کی تجزیت کے بعد سے پہلی بار آئی ہوں۔ ورنہ اُن کی کتابوں کی درکچہ بھال میں ہی کرتی تھی۔ اس کام کو ملالہ مول پر نہیں چھوڑا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیسے ہوا... ڈائریاں کہاں کیں۔“

فریدی خاموش ہی رہا۔ اس کے بعد گھر کے سارے ملازم طلب کر لیے گئے تھے لیکن سب نے اس سے لامی ظاہر کی۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا کیوں ہوا... اور اس کا ذمہ دار کون ہے؟“ نذرہ خاون نے کہا۔

”ضوراً ان ڈائریوں میں سے کسی میں کوئی ایسا مولا تھا جو ان معاملات پر روشنی ڈال سکتے۔“

”معاملات۔ یہ سے معاملات۔“

گردن کے لیے "نذرہ خاتون تے بھاری ہوئی آواز میں دُہرایا۔
فریدی نے یہ جملے نوٹ کئے اور ڈائری بند کرتا ہوا بولا "تو گویا اس قتل کا محک
شہزاد بھی ہو سکتا ہے ...!"

"کوئی بھی ہو۔ خدا راجل میرے کیجیے میں ٹھنڈک ڈالنے ...!"

بہت جلد خاتون ! فریدی احتقان ہوا بولا "فی الحال صبر سے کام یجھے !

کوئی سے نکل کر گاڑی کی طرف کیا اور اسے اپنی طرح چیک کر لینے کے بعد پیس
اسیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔

تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ ٹرانسیٹر پیشہ موصول ہوا۔ سوچ آن کرنے پر کسی کی
آواز آئی "بارڈ اسٹون... بارڈ اسٹون... بنی الیون کانگک"

"بارڈ اسٹون -" فریدی نے ماڈل ٹھنڈپیس میں کہا۔

"سب کچھ ہماری توقعات کے مطابق ہوا ہے جناب !" دوسرا طرف سے آواز
آئی "پاچ مقامی آدمیوں نے لاش تلاش کر کے ایک جگہ وفن کر دی ہے .. جگہ ہماری توں
میں ہے۔ اور ان بیانچوں کی قیامگاہوں سے بھی آگاہی ہو گئی ہے۔ کوئی اہم وگ ہے۔
وہیں کے کسان قسم کے وگ ہیں ... اور -"

"مرنے والے کے بارے میں کیا معلوم ہوا ؟"

"یہاں کے مشہور بدمعاشوں میں شمار ہوتا تھا۔ شیشیگل نام تھا !"

"اس کے دوسرے ساخیوں کو تلاش کرنے کی کوشش کرو۔ ایسے ساختی جو اس
کا باقاعدہ رہے ہوں ... اور -"

"بہت بہتر جناب !"

"اور ایڈ آں !" کہہ کر فریدی نے ماؤچ پیس ڈیش بورڈ کے خالیے میں رکھ دیا"

تو سمجھا جا سکتا تھا کہ شیراںکن صاحب کے خلاف نادر کی لفت برسے کار آئی ہے قتل
کی وجہ مالی منفعت بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ ابھی آپ زندہ ہیں۔ اور پھر اگر شیراںکن صاحب
کے بھائی نے بھی اپنا حق طلب کر لیا تو آپ ہری کے حصے میں لکھا آئے گا۔ آپ تیسرا پہلو باتی
رہتا ہے۔ نادر صاحب اسی صورت میں انہیں قتل کر سکتے تھے جب کہ خود انہیں ان
کی ذات سے کوئی خطرہ لاحق رہا ہو..."

"میں بھجو رہی ہوں۔ آپ کیا کہتا چاہتے ہیں ؟" نذرہ خاتون نے طویل ساں
لے کر کہا۔ میں کبھی اس قدر لکھل کر بیات نہ کر سکت۔ انکا ڈائسیاں اس طرح غائب نہ
ہو گئی ہوتی۔ میں نے بھجو کبھی انہیں بے خیالی میں بڑھاتے سنائے۔ نادر اگر ق
پھنس گیا تو شہزاد تیری طرف سے نظریں پھرے گا اور صرف تیری گردن کئے گی۔"
"اوہ -" فریدی طویل ساں شے کر رہا گیا۔

"میری موجودگی کا احساس ہوتے ہی وہ خاموش ہو جاتے میں کچھ پوچھنے کی کوشش
کرتی تو گول ہوں جواب دے کر بٹاں جاتے ہیں" کہہ کر جاتے ہیں

"آپ نے بھجو کر دئے کی کوشش نہیں کی ؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں جناب ! میں ان کا اسی طرح احترام کرتی تھی جس طرح کوئی چوارن کسی دیوتا
کا کر سکتی ہے۔ مجھے نہیں پیدا پڑتا کہ کبھی کسی بات پر ان سے اُبھی ہوں۔ جو پھر وہ حادثے
بنانا چاہتے بتا دیتے .. میں کہیدا نہیں کرتی تھی۔ لیکن ڈائریوں کے اس طرح غائب ہو
چاہتے کی بتا پر سوچی ہوں کہ ضرور انہوں نے نادر کے بارے میں کچھ لکھا ہو گا... ورنہ وہ
الماری ہی میں ہوتیں ... اور مجھے لقین کامل ہے کہ یہ حرکت نادر کے علاوہ اور کسی کی
نہیں ہو سکتی یہ"

"ذرا پھر تو بتائے کا کہ وہ بے خیال کیا بڑھاتے تھے ؟" فریدی نے اپنی نوٹ بک
کے صفحات ملٹھنے ہوئے کہا۔

نادر اگر تو پھنس گیا۔ ق شہزاد تیری طرف سے نظریں پھرے گا اور صرف تیری

”پھر تم بوجوں نے اپنی زبان شروع کر دی۔ میں بور ہو رہی ہیں!“ سکی نئے کہا!

”اللہ ترے تم مردی جاؤ... پیچھا چھوٹے!“ قاسم بھنا کر بولا۔

”چھوٹے جھلکا کر رہا ہے۔ کہ تمہاری وجہ سے میری مجوبہ خوفزدہ ہو گئی ہے!“
حیدرنے انکش میں کہا۔

”ہاتھ مجوبہ کہا ہے جھوٹ کو!“ سکی بھٹکتی ساش لے کر بولی۔

”ویکھو سامے!“ قاسم نے بگڑ کر کہا ”زیادہ حرارتی پن جتنا کی ہڑوت نہیں ہے!“

”آخر براہ راست جھوٹ پکھ کیوں نہیں کہتا۔ کتنی خواہش ہے کہ اس کی زبان
سے کچھ سنؤں۔!“

”غاییاں سنوگی غاییاں!“ قاسم اردو میں بولا ”موہگ کی دال تم پیدا ہی
تیوں ہوئی تھیں روکھی پھیکی۔ ابے حیدر سامے تم تے من جنمائیں پھنسوادیا ہے!“

”کوئی ان میں سے پکڑ لاؤ!...!“

”بس بیس اس موٹاگ فی دال نے میرا جی بھردیا ہے!“

آب بکا کہہ رہا ہے؛ سکی نئے پوچھا۔

”تمہارے حسن کی تعریف کر رہا ہے۔ کہتا ہے کہ اس کے پیغمبر تو اب میں زندہ ہی نہیں
رہ سکوں گا۔“

”اوہ میرے خدا میں قیاقروں۔!“ قاسم جھلاہٹ میں اپنے بال نوچنے لگا۔

”اے اے یہ کیا کرنے لگا!“ سکی نئے چرتے کہا۔

”کہتا ہے کہ اسے سب کچھ کیوں بتاتے جا رہے ہو۔ عصہ کر رہا ہے!“

”تم آخر اتنے شرمیڈے کیوں ہو جان!“ سکی ہنس کر رہی۔

قاسم دوسرا طرف منہ کر کے بیٹھ گیا۔

”بچوں کی طرح خرے بھی کرتے ہو۔!“ وہ ہنس پڑی۔

”ابے یہ میں سختے قریبا ہوں!“ قاسم دھارٹا ہوا کھڑا ہو گیا اور حیدرنے سکی سے

حیدر نے ان دو نوں کو بتایا کہ کس طرح اُس نے دوبارہ گیشا راحصل کیا ہے اور
سکی بہت زیادہ بد جواں نظر آئے تھے!

”تم نے بہت برا کیا“ وہ کا پنچی ہوئی سی او اڑیں بولی ”آن لوگوں سے جھکڑا مول
لینا اچھا نہیں ہوتا۔ ان میں سے بعض اول درجے کے پرد معاشر ہوتے ہیں... مفروضہ
اور فناں... بال بڑھا کر اپنا حلیہ تبدیل کرتے ہیں اور سپیوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔

”بہر حال ہمیں ہو شیار رہتا ہے!“ حیدر نے کہا۔

”آخر تم نے بات بڑھانی ہی کیوں۔ کتنا قیمتی تھا گیشا!“

”دو پیسے کا تھا!“ قاسم جھلا کر بولا ”بہت اچھا کیا۔ ذرا کوئی ادھر آگھہ اٹھا کر
تو کیجھے ایک ایک کی گردن مرد رو دوں گا۔“

”تم صرف دو ہو۔!“

”ہمیں دو ہزار تھے!“ قاسم نے اکڑ کر کہا ”اگر انہوں نے گود بڑا کی تو مار سے جانتے
ہیں تو کیا تم دو نوں کس قسم کے لوگ ہو۔!“

”ہم بھی اول درجے کے پرد معاشر ہیں تم فریز کرو!“ حیدر نے کہا۔

”مجھے یقین ہے کہ بات وہیں تھی تھی ہوئی ہو گی!“ سکی بولی۔

”مجھے تم سے زیادہ یقین ہے کہ ابھی مزید جھلکا ہو گا!“ حیدر نے بولا۔

”یا مرد رو غوری۔ مجھے بھورن لگی ہوئی ہے۔ پیٹ میں جو کچھ تھا سب نکل گیا۔“

اب تیاقروں!“ قاسم نے اردو میں کہا۔

”مجھے یقین ہے کہ اس سفر میں تم مجھے کھا جاؤ گے۔!“

”ہمیں بتاؤ قیاقروں... کھانا تھوڑا ہے۔!“

”میں کچھ نہیں جانتا اور ووگ کہہ رہتے تھے کہ مل صبح ایک گاؤں سے گزریت
دیاں تھمارے نے بھیریں جریسے کی کوشش کروں گا۔ پورا گلم چاہیے تھمارے یہے۔ میں
یہ بھی افسوڑی نہیں کہ وہ لوگ بھیریں سماخ رکھتے ہیں۔“

کہا۔ شادہ پھر اس کی طبیعت خراب ہو رہی ہے...“

”مم... میں قتے کرتے ہیں دیکھ سکوں گی،“ سکی نے کہا اور چھپو لداری سے نکل گئی۔ اُر رہے تھے!

”اسی طرح دیکھا ہو جاؤ سالی۔“ قاسم میٹھا ہوا بولا۔ پھر سڑانے لگا۔ ایسی بھی قاتا عورت جسے دیکھ دیکھ کرو چاہی بیخ یاد آتی رہیں۔“

”ایسی بھی جنہا نہ چھوڑ دیں گا۔“ قاسم بھی دیکھنا ہوا بیخ گیا!

”اوہ سکی دوڑ کر اس سے پٹ گئی۔“

”ہی ہی ہی ہی... اس قی ہمیں ہوئی... اسے چھوڑ دو گدھی لگ رہی ہے...“

”ایسی ہی ہی ہی...“

”تم ہنس رہے ہو جان...“ وہ ہانپتی ہوتی بولی۔

”ارے بان!“ قاسم نے انگلش میں کہا۔ ”ہی ہی ہی... اس طرح پلنے سے گدھی لگتی ہے، ہی ہی ہی ہی...“

اُدھر حمید نے ایک کو اور گراہیا تھا! تیسرے بھائے ہی لگا تھا کہ حمید نے کسی کو کہتے تھا۔ ”امنیں یکھو۔ جانے نہ پائیں۔ ترکاری آؤ لگتے ہیں۔“ یہ شاید انہی چکار پر از میوں میں سے کوئی تھا...!

حمد نے بڑی پھر تی سے چاٹونڈ کر کے روپور نکال دیا... اور تمیزی سے پچھے تاہم قاسم سے بولا۔ ”بایاں جاتے تھے اُر تھو۔ اگر ان کے باہت آگئے تو مارے جائیں گے،“

دوسری طرف سے کمی آدمی دوڑ کر اُدھر ہی آتے نظر آتے اور حمید نے پڑت کر ایک زنجوں کے مارا۔ قاسم شاید فرمی طور پر پوری طرح پیدا ہو گیا تھا۔ اس نے حمید کی ہدایت دل کرنے میں حیرتیں رکائی تھی۔ حمید ان دونوں کے پیچے نظر۔ وضعت دوسری طرف سے ایک فائز ہوا۔ اور حمید نے ایک جگہ پوزیشن لے لی ساختہ ہی ان سے کہا۔ ”تم دونوں تر ہو... رکنا ملت... میں انہیں روکتا ہوں!“

اس نے پھر فائز کیا۔ اُدھر سے بیک وقت کی فائز ہوئے لیکن چید محفوظ رہا۔

”ہی ہی ہی ہی... بس یونہی جیھن سے نقل عنیا۔ میں روٹی کو جیاتی بیخ کھاتا ہوں۔“

”ہاں روٹی کے علاوہ اور رکھا ہی کیا ہے، تماری زندگی میں۔ لیکن تم تین پچھے بات نہیں کہی۔“

”قیامطلب!“

”حید صاحب نے مجھے بتایا تھا کہ تم اپنی بیوی کو جیاتی سیم کہتے ہو!“

”سامے ہمیں تو۔ اور قیاقیا بتایا تھا۔“

”یہ بھائیا کہ شادی کی پہلی رات تم بُری طرح بُکھلائے ہوئے تھے اور بیوی کو پلنگ سمیت اٹھایا تھا۔ وہ بیخاری پیخ مال کر بیوہ ہو گئی۔ اور پھر اس نے ہمیں اپنے قریب نہیں آنے دیا تھا۔“

”زندہ دھن قروں غاسلے قو... ملتے تو!“

”لیکن یہ لڑکی تو اپنی خاصی ہے...“

”کیا اپنی خاصی ہے۔ سالی میں ہٹپوں کے علاوہ اور کیا رکھا ہے؟“ قاسم یگز کر دیا۔

”مکر ہوئی تو کیا تم اُسے تل کر کھاتے؟“

”دفعتہ ہمیں نے کی کچیخ سنی اور حمید اچھل کر چھپو لداری سے باہر جا گا۔“

”عصرہ ویس بھی آس ہوں۔ سالوں نے گوڑی کہی ڈالی۔“ قاسم بھی اُمختا ہو اولा۔

”سکی پھر سچی اور اس پار حمید کو سخت کا ندازہ ہو گیا! چاقو نکال کر اسی ظافٹ جھینٹا۔“

”بھرنا نہیں میں بھی آس ہوں!“ قاسم نے لکھا کر کہا۔

”اویاں ٹھیک ہے؟“ قاسم نے کہا اور جت سیٹ گیا۔ اس کے قریب ہیک سیئی چان کھڑی تھی اور آگے کا راستہ مسدود ہو گیا تھا۔ سکی بھی اُس کے قریب ہیک کر مر گوشیاں کرنے لگی۔ ”تمہارا ساتھی اول درجے کا حق معلوم ہوتا ہے؟“

”پھر میں کیا کروں؟“

”تم اس کا ساتھ چھوڑ دو اور تم کسی طرف نکل چلیں۔“

”اسے باپ رے؟“ قاسم اردو میں بربادیا ساتھی اچھا کیونکہ سکی نے اس کی طرف کروٹ کے کر اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھ دیا تھا۔
یہ... یہ کیا کر رہی ہو۔ سو گیسی ٹھائیں ٹھائیں ہو رہی ہے؟“
روچپ چاپ لیتے رہو...! آہستہ نہیں بول سکتے۔ تمہاری آواز ان تک پہنچ جائے گی۔“

ادھر مجید سوچ رہا تھا کہ اب کچھ اور کرنا چاہیے ورنہ خواہ کارتوں ضائع ہوئے رہیں گے دوسرا طرف فائز ہو کر نے والے اونچائی پر تھے اور دکھائی نہیں دیتے تھے۔ دفعتہ مجید نے فائز ہوں گے۔ ادھر سے منزدہ کچھ فائز ہوئے اور سناٹا چھا گا۔ اتنے میں مجید نے پھر اپنی پوزیشن میں بچے اترتے ہیں بیاپسائی اختیار کرتے ہیں۔
لیار و عمل ہوتا ہے اُن نئی تلاش میں بچے اور کمی طرف سے بھی کوئی حرکت نہ دکھائی دی۔ رات کی منت گذر کئے۔ لیکن کسی طرف سے بھی کوئی حرکت نہ دکھائی دی۔ رات پہلے ہی کی طرح سایقین سایقین کرنے لگی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے ذرا دیپ پہلے کچھ ہو رہا ہی نہ ہو۔ احمد آہستہ اپنے کمی طرف ریکھنے لگا۔ ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی کچھ پہلی کمی ویوار پر حل رہی ہو۔ ریوایو کے خالی کچھ دوبارہ بھر دیتے تھے۔
اور پھر دراہی سی دری میں اس پرست بات منتشف ہو گئی تھی کہ وہ لپیا نہیں ہوئے تھے۔ اگر فراسا بھی چوکتا تو مار دیا تھا۔ ایک سچھر کی اڈت سے اس نے اُن سیوسے دیکھ دیے۔ آٹھ دس رہے ہوں گے۔ تھوڑتے ہی فاصلے پر اونہوں پرستے نظر اسے

ایسی جگہ جم گیا تھا کہ وہ لوگ قریب آئے بغیر قاسم اور سکی کو نہیں دیکھ سکتے تھے... اس نے پلے درپے دو قاتر کئے۔

”ادھر سکی منوار ہی تھی میں کچھ میں نہ تھی تھی کہ یہ ہو رہا گا۔“

”یہ تو متواہی رہتا ہے۔ تم کیوں فکر کر تھی ہو۔ اگر حیلاتہ جا رہا ہو تو میری ملچھ پر آجاؤ۔“

”نہیں ٹھیک ہے! میں چل رہی ہوں۔ کہیں گولی نہ لگ جائے۔!“

”نہیں لگے گی۔ میرا ساتھی بہت تیز ہے۔ وہ انہیں ادھر نہیں آتے دے گا۔ اس کے پاس بہت کارتوں ہیں!“
اچاہک وہ لٹکڑا اور قاسم نے سنبھال لیا۔ مطلع صاف تھا اور تاروں کی چھاؤں میں وہ راستہ بخوبی دیکھ سکتے تھے۔
”اب کیا ہو گا؟“ لڑکی نے سمسکی لی۔

”و سب ٹھیک ہو گا... بورہ نے کی ضرورت نہیں!“
فارزوں کی آوازوں سے چائیں گوچ رہی ہیں اور محمد سوچ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ ساری اسیم بی تپٹ ہو کر رہ گئی۔ یہاں آنے کا مقصد ہی فوت ہو گیا۔ اسے گیشاڑ کے لیے جھگڑا نہیں کرنا چاہتے تھا۔ اب اس وقت یا تو وہ گھر کر ماہیے چائیں گے یا ان سے کٹ کر ادھر اور ہر بی مقصد بھلکتے پھری گے۔ اس نے کسی کو صاف کہتے شاٹھا کہا نہیں گھرو۔ سرکاری آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ اس حد تک بات بڑھ جانے کے بعد دوبارہ ان میں گل مل جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔
”ادھر ٹھلان کے اختتام پر پچھ پر قاسم ڈک گیا اور اونٹ کی طرح منہ اٹھا کر اپر دیکھنے لگا۔

”ارے بیٹ جاؤ۔“ یہاں اس طرح کھڑے نہ رہو... ورنہ مارے جاؤ گے! اسکی نے اُس کا بارہ و کھڑک جھنگھوڑتے ہوئے کہا ہے وہ لوگ اونچائی پیشیں۔ تمہارا ساتھی ہر طرف تو نظر نہ کھو سکتے گا۔“

شاید وہ خود اُس کے منتظر تھے۔ وہ انہیں صاف دیکھ رہا تھا۔ چار عدروں بالکل اس کی زد میں تھے... اُن سے پچھا چھڑا نے کی یہی ایک تدریس کیجھ میں آئی راشانے سے کرفائزگ شرودع کروے وہ چاروں صافِ زد پر تھے۔ پہلے ہی تھے میں اُچھل کر دور جا پڑے اور بھتیجاً اُندھر کر جا گئی تھی تھے کہ ان میں سے دو اور اگر سے جمید نے بیڑی سے ریبو اور پھر نوٹکیا اور شرکر دیا تا جملہ گیا۔ حالانکہ اب کوئی بھی نہیں وکھائی دے رہا تھا، زخمی ہو جانے والے دہیں پر پڑے ترطیب رہے تھے اور پیغام رہے تھے۔

جمید تیزی سے پلٹنا اور نیچے اترنے لگا! اب شامہی کوئی اور ہرآنے کی ہمت کر سکتا ہے!

کچھ ہی دور چلا ہو گا کہ قاسم کی آواز سنائی دی۔ اُردو میں کہہ رہا تھا دلوخواں کی نہیں ہوتی... ہی ہی ہی ہی... اسے اسے۔!

”کیا ہو رہا ہے؟“ جمید نے دپٹ کر پوچھا! اور قاسم کی ”ہی ہی“ دکت گئی...
”کیا ہوا؟“ سکی اُندھر کر اُس کی طرف لپی!

”ہم گیا جو کچھ ہونا تھا۔ اب یہاں سے دور نکل چلو...“

ہاتھے خانا دانا تو وہیں رہ گیا!“ قاسم جی کراٹھ بیٹھا!

در قم تو ہے ناجیب میں۔ بہت کھاتا مل جائے گا۔ چلو جلدی کرو!“
”کچھ دور چلنے کے بعد قاسم بولا ”بھی میں تو اس سے کہہ رہا تھا کہ نہیں چلا جاتا تویری پر پڑھ پر آ جاؤ۔

”لماں! اچانک بہ عنایت کیوں!“

”سب بیٹھنے ہے!“

”کیا بھیک ہے...!“

”کیا بھیک ہے...!“

”اس سے پچاری کچور جو دت ہے نہیں چلا جاتا ہو غا... ہی ہی ہی ہی...!“

”د موٹاگی والی بھی تو ہے...!“

”سب بیٹھنے ہے!“

شہباز بہت نیادہ غصے میں تھا اور فریدی اُسے ایسی نظر دی سے دیکھ رہا تھا
جیسے پچھے اس کی فہری کیفیت کو پڑی اہمیت دے رہا ہو۔ اوفuscہ شہباز بہت پتھے رک
کر اس کی طرف متراہ اور بولا! یہ بھیک ہے جناب کہ آپ اس کیس کی تفتیش کر رہے ہیں
اور مجھے دخل اندازی نہ کرنی چاہیے۔ لیکن آخر کتب تک۔“

”د بتایا ہے بھی تو کیا معاملہ ہے!“ فریدی نے نرم پیغمب میں پوچھا!

”آج پھر زدی کوہ میں فرس کے افزاد پر فائز تک ہوئی ہے میں اُسے کسی درج
بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔“

”تو پھر آپ نے کوئی کارروائی کی۔!“

”بھی نہیں! میں نے سوچا کہ آپ کے علم میں لاے بغیر مجھے کچھ نہ کرنا چاہیے۔ اُنہا
دیکھی ہے کہ داور خان کو خان عبدالرحمن ہی نے چھپا کر ہے!“

”تپ تو اول درجے کا حمق ہے کہ خواہ مخواہ پھیر طچھاڑ کر کے آپ کی توجہ اپنی
طرف مبندوں کو رہا ہے!“

”میں نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ جید سرکش لوگ ہیں! آپ کو بھی اس کا بجز بھوچکا

”تو پھر آپ کیا کریں گے؟“

”رجاہی کارروائی۔ بھجے اس سے سروکار مہین کر دا و د ہاں چھپا ہو رہا ہے یا نہیں!“

”بھیک ہے۔ اس طرح آپ جو ابی کارروائی کر سکتے ہیں! میں یہاں آپ کے
فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ بننے تو نہیں آیا۔“

”پھر بھی آپ کے علم میں لانا ضروری تھا۔ مجھے خوش ہو گی اگر آپ اس کا رونق

”دہو سکتا ہے گھر یہے جانے کے خدشے کی بنا پر پر اشوٹ سدا تھے گیا ہوا۔“
”میں لیکن لیقین کیجئے کہ وہ قتل کے بعد خاموشی سے بھی فرار ہو سکتا تھا۔ قتل یہ رے
لیک آدمی کی موجودگی میں ہوا تھا! لیکن وہ قاتل کی شکل نہیں دکھ سکتا۔“

”میں نہیں سمجھا!“

”شیر انگن نے مجھے اُس اجنبی کی کہانی سنائی تھی۔ اور میں نے اس کی گلزاری شروع
کر دی تھی۔“

”دہت تو ہر کوئی انجاد اہم ہو گا!“ شہزاد طویل سالس سے کروپولا یہیں آخ داور
روپوش کیوں ہو گیا ہے؟“

”دیکھ تو دیکھنا ہے!“ فریبی نے کہا اور زخمیہ اسکار سلاکاتے رکا۔ شہزاد کی
آنکھوں میں تشویش کے آثار تھے۔

”خود کی دیر بعد اس نے کہا!“ میں نے اُن سرکشوں کی کہیں کاہ کا پتالگا بایا ہے
آج میں چھپا پاماریں گے!“

”د جب چنانہ اس کے آض سے نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھا تھا اور ہوٹل کی طرف روانہ
پھر وہ اُس کے آض سے نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھا تھا اور ہوٹل کی طرف روانہ
ہو گیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ملکی سی مسکرا سبھ تھی۔ بالکل ایسا ہی نکلا تھا جیسے اس نچے
کی خوش فعلیاں یاد آ رہی ہوں۔!“

جھنکتے جھنکتے صبح ہو گئی پتا نہیں کہ ہر نکل آئے تھے۔ چاروں طرف اوپنی تھی
جہاں کچھی ہوئی تھیں اور قائم دلوں لا تھوں سے پیٹ دیا تے کہہ رہا تھا۔ میہاں
تو تھا اس پھی نہیں ہے کہ اس کا بھی بجیرہ قرڈا تا۔ اور چھینو پیٹا گیا تا۔۔۔ پتا نہیں سالا

کے دوران میں ہمارے ساتھ رہیں یا؟“

”میں آپ کی بی خواہش ضرور پوری کروں گا!“ فریبی مسکرا کر پولا۔

”میرے مظالم کی داستانیں آپ نے بھی سنی ہوں گی لہذا میں آپ کو دکھانا چاہتا
ہوں کہ میرا سالقہ کیسے لوگوں سے ہے؟“

”د اوہ۔ ہاں یہ توستایے کہ آپ نے نادر کی شکرہ آباد میں موجودگی کی تصدیق کیا
کہاں سے کی تھی؟“

”د ظاہر ہے وہی سے جہاں وہ زیادہ تر رہتا ہے۔!“

”د پروفیسیونلی کی طرف اشارہ ہے شاید!“

”د جی ہاں۔۔۔ وہ بہت دنوں سے اپنی رایت و میں پس کر رہا ہے!“

”برٹی عجیب بات ہے۔“

”د بیہیں سمجھا!“ شہزاد اُس سے خور سے دیکھتا ہوا بولتا۔

”پروفیسر نے اُسے کیسے گوارا کر لیا ہے؟“

”د اوہ۔ دلوں باب میں پاگل ہیں۔!“

”د میکون پاگلوں کی شہادت کوئی قاذی حیثیت نہیں رکھتی؟“

”د میرا مطلب تھا سمجھی ہیں۔!“

فریبی کچھ نہ پولا! شہزاد نے کہا!“ میری سمجھ میں نہیں آنا کہ آپ نادر پر اتنا زور
کیوں دے رہے ہیں۔ جب کہ داور کی انگلیوں کے نشانات مقتول کے کمرے میں ملے تھے۔

”د اور کاملنا بہت ضروری ہے! اس سے پہلے یہ مُتمہ حل نہیں ہو سکتا تا۔“

”د پتا نہیں کیوں آپ نے اسے مُتمہ پسنا دیا ہے جب کہ داور کی انگلیوں
کے نشانات نے اسے ایک کھلڑا ہوا کیس بنادیا تے؟“

”د قاتل کے ڈرامائی دراز نے اُسے مُتمہ بنایا ہے خان شہزاد... وہ اُسے خاموشی
سے قتل کر کے کسی کے علم میں لائے بیغز بھی فرار ہو سکتا تھا۔۔۔“

قیسا مخمل لکھا تھا۔"

جید نے سوچا کہ اب اُسے خود کو اُس پر ظاہر کر دینا چاہیے۔ ورنہ بھیں کہیں ہاتھ
لگوں پسار کو پڑھ جائے گا۔ اُس نے پڑھے ملاد سے اُس کا سر مہبلہ کر کھلا "خود کو میر مت بھجو
س ابھی زندہ ہوں؟" بیہ اس کی اصل آواز تھی۔
قاسم خند تھلا کر رہا گما۔ اور آنکھیں بچاڑھا رکھ کر اُسے دیکھنے لگا۔۔۔۔۔ پھر
انت پیس کر بولا "تو یہ سارا چکد پن تم نے چھپلایا ہے۔"
"وہ بس ہوئی اُر کری! اور نہ میں تو ممہن ملی لفڑی کرنا چاہتا تھا۔ ویکھو کیسی چاہنے والی
ٹکڑی تلاش کر دی ہے۔۔۔۔۔ چاہو تو اس سے شادی بھی کر سکتے ہو!"
"اُنہیں ہی ہی یہی ہی...!"
"وہ میرا خیال ہے کہ اب تم اسے پسند ہی کرنے لگے ہو۔ چرس نوشی ترک کر دینے کا دعا تو
ہ کہری حلپی ہے...!"

"ہاں... عینیت ہے یہ قاسم مسمی صورت بنانکر بولا۔
"لتنی بارہ کھوں کہا انگلش بیں گفتگو کرو۔" سکی نے جھنڈا کر کہا۔
وہ بہت سے شادی کر لیئے پر آمادہ ہے!" جید نے کہا۔
"دیخو۔۔۔ پھر وہی گھصہ والی بات!"
"وہ اس کے لیے تو میں جان بھی دے سکتی ہوں!"
قاسم کے دانت نکل پڑے۔ اور جید اس تبدیلی پر متحیر ہیا چھوڑی فیر بعد قاسم
تے کہا "اُجھ سے تو اب نہیں چلا جاتا۔ پناہیں کہاں چاہے ہیں؟"
جید ہی ہیں کوئی چوہا ملے کا اور ہم اُس سے بھیڑیں خریدیں گے!" جید بولا
قاسم نے فوج سے بخوک کی چکاری ماری۔ بھیڑوں کے نام پر شادی مہنے ہیں پانی
ریا تھا۔ اس نے کہا "مگر می سے تم نے تجھے دھوکا لیوں دیا تھا۔"
"جب مجھے بھی کوئی مل جاتی تو خود کو ظاہر کر دیتا۔ لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئے پانی!"

"قیمی نہیں آئے غنی... تم ہو ہی مخصوص!.. بھی تو میں قہر را تھا کہ آخر تھائیں بھوئی
قیوں ہونے لگی!۔"
قاسم کو چلا تے رکھنے میں بڑی دشواری بھی آئی تھی۔ جید نے سکی سے کہا کہ وہ بوقتی
رہے تاکہ قاسم کی بھوک بہلائے رکھنے میں بچھوڑ دے سے اور اس نے قائم کی شان میں شاعری
شرف کر دی۔ ایسے جذباتی قیلیاگ بدل رہی تھی کہ قاسم کا مدد دل کی طرف متوجہ ہو گیا۔
آخر چھوڑی دیر بعد قاسم بولا "سلکر یا رشادی قیسے ہو سکتی ہے۔"
وہ ہو سکتی ہے؟" جید نے کہا بات کی پرداہ مت کر دیجیے ہی ان کو معلوم ہو گا کہ
امریکن ہے ان کا دم نکل جائے گا کیونکہ کسی امریکی میکنیوں کے اشتراک سے بھی تو کام کر رہے ہیں
اور اگر کہیں تم نے کہہ دیا کہ امریکی صدر کی بھائی بھی تھی ہے تو سرپریا خدا نے اُمکا نے بھری کے
اور تم تاپتے رہ جاؤ گے!"

"وہ چوپ بے میرا بات ایسا نہیں ہے!"

"وہ تو چھوڑ ڈیہ درجن سیکرٹریاں کیوں رکھ چھوڑی ہیں؟"

"بھی رکھتے ہیں!"

"مکہبیاں مارتے کے لیے نہیں رکھتے!"

"بس۔ بس بات کی بات مت قرو۔!"

"ہیں تو کہہ رہا تھا۔"

"وہ نہیں بس۔۔۔ جب ہو غامقہ میں تو شادی بھی ہو جائے غنی!"

"وہ بطور سیکرٹری ہی رکھ لینا!"

"قتاں رکھوں گا۔ جیب میں؟ وہ سالی چپاٹی سیم...!"

"رکھنے کا انتظام بھی کر دوں گا۔ اس طرح کی کسی کو کافیوں کا ان جائزہ ہو!"

"الا قسم!" قاسم خوش ہو کر بولا۔

"لیقین کرو۔۔۔ مجھے بھی یہ لڑکی تھار سے یہے بہت پسند آئی ہے!"

”بعد میں گھپلائونہیں قروئے!“
”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“

بہر حال حمید اور سکی اُسے باقی میں اُجھائے ہوئے چلاتے رہتے تھے!... دفعہ
حید جلتے چلتے ایک جگہ رک گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو! اور
پھر وہ آوازان دونوں نے بھی سُن لی تھی... کسی گاڑی کی آواز تھی اور اسکی دو یہ بجا بس کی اوچانی سے اکبر
تھی... وہ ایک بڑے پھر کی اٹوٹ میں دیکھ گئے۔

پھر وہ جیپ انہیں دکھائی دے گئی جس پر انہی کے ملک کی فوج کا انشان بنایا تھا۔
”خدا کی بنادا!“ حمید طویل سافنے کے کربولا یہ تو اپنی ہی طرف کی سرحد کے محافظ
ہیں... تو یہاں نے بار بار کرس کریا ہے!“

”جو روئینی بات ہے یہ قاسم مشتمی صورت بناؤ کر بولا۔“

ختوڑی سی چڑھائی چڑھ کر وہ اُس بڑک تک پہنچ سکتے تھے جس پر جیپ نظر آئی
تھی لیکن حمید نے اُسے مناسب نہ بھا۔ اس کی بجائے وہ پیچے ہی پیچے اُس سمت بڑھتے رہے
جدھر سے جیپ آتی دکھائی دی تھی اور پھر آگے چل کر چتا ہو کے درمیان گم ہو گئی تھی۔ اچھے
دیر بعد قاسم کی تھی تقدیر کھل گئی۔ یعنی بھیریوں کا ایک گلہ بھی نظر آگیا۔ دو بھیری خریدی گلہ
چاقو تو حمید کے پاس موجود ہی تھا۔ تمباکو نوشوں کے لیے ماچس بھی حضوری ہوئی ہے لہذا
کسی نہ کسی کے پاس نکلی ہی اتھی ہے... اور ہڈھر سے خشک لکڑیاں اور جنگل کھاس
اکھائی گئی۔ اور اس پھر کام بن گیا۔ ایسی جگہ پر تھے کہ آسانی سے دیکھے بھی نہیں جا سکتے تھے
ایک بھیرڑی کر دی گئی۔ کھاں بھی حمید تھی کو اُتار فی پڑھی۔ اس کے بعد وہ لمبا لمبا یاٹ کیا
اور سکی قاسم کا ہاتھ بٹانے لگی۔ زیادہ دیر نہیں لگزدی تھی کہ وہ پر کھلا کر چاروں طرف دیکھنے
لگے۔ انہوں نے فارزوں کی آوازیں سنی تھیں۔

”یہ قیا ہوئے غبا!“ قاسم بھرا ہوئی آوازیں بولا۔ سارے کسی کو خاتمے پیتے نہیں
دیکھ سکتے۔“

”دیہ کوئی اُر معاملہ حلوم ہوتا ہے، اُم اپنے ملک کی حدود میں ہیں۔ آگ بجھا کر اس
در اڑ میں چلے جاؤ!“ حمید اٹھتا ہوا بولا ”میں دیکھتا ہوں!“
وہ آخاذ کی سمت چڑھائی پر چڑھنے لگا۔ فارزوں کی کچھ آوازیں دور کی تھیں اور پچھے
قریب ہی کی المعلوم ہوئی تھیں... اُوہ بڑی احتیاط سے اُپر چڑھ رہا تھا۔ چنان کے لفڑتام
پر ایک اور اڑ نظر آئی جس کے اندر کا اجلاں کہ رہا تھا کہ دوسری طرف راستہ مقدمہ نہ ہو گا۔
اس نے چاروں طرف دیکھ کر دراقدم رکھ دیا۔ داشتا ہاتھ بعنی ہو سستر پر بہ
رکھا تھا۔

ختوڑی ہی دو رحل کر گئی جانا پڑا۔ ایک آدمی اونڈھا پڑا نظر آیا جس کے نام تھا
پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ پیر بھی آزاد نہیں تھے۔ جسم میں حرکت پانی جاتی تھی۔ شاید تھا
کہ آہٹہ ہی پر اس نے سرگھانے کی کوشش کی تھی۔

”تم کون ہو۔ اور یہ کیا ہو رہا ہے؟“ حمید نے آہستہ سے پوچھا!
”وہ اُسے ویران ویران کی آنکھوں سے دیکھتا ہے پھر یہی انی آوازیں بولا!“ خدا
کے لیے مجھے بچاؤ... ورنہ وہ مارڈاں گے۔ با مجھے ہٹالے چلو یہاں سے ورنہ دلماہی سی
دیر میں۔ میرا قنعت ہو جائے گا!“

”وہ کون ہیں؟“ حمید نے اُس کے ہاتھوں کی گرد کھولنے پوچھا!
”تیادوں کا۔ نہیں کوئی جرم ہوں اور نہ... جلدی کرو۔ وہ قریب ہی ہیں...!“
حمدید نے اس کے پیر بھی کھوں دیئے اور وہ اُٹھ بیٹھا۔ کھڑا ہوا تو قدم لرڈ کھڑا رہے
تھے۔ اور اُس کا رخ اُوھری تھا جو دھرتے چیرا تھا۔ لارڈ کی دوسری طرف سے پرستور فائزہ نگ
کی آوازیں آرہی تھیں۔ درکی بھی اور قریب کی بھی۔ وہ اُسے لہما راوے کر ادھر ہی سے
چلا جیا۔ قاسم اور سکی کوچھوڑ لے گئا۔

اجنبی کہ رہا تھا!“ ختوڑی دیر فائزہ نگ کر کے... وہ مجھے کوئی مار دینتے ایسے نے
انہیں کہتے سنا تھا۔“

”وہ کس پر فائزگ کر رہے ہیں ...“
 ”میرے حواس مٹکانے نہیں ہیں۔ پہلے مجھے کسی محفوظ جگہ پر لے چلو۔ میں سب کچھ
 بتا دوں گا۔“

قاسم آگ بجھا کر چنان کی اورٹ میں چلا گیا تھا۔ اور کچھ کا گوشت کھارا تھا اور سارے
 زمانے کو گالیاں دے رہا تھا۔ مکی بھی ٹھنڈس رہی تھی۔ جید نے اپنی کو انہی کے پاس بٹھا دیا
 وہ قاسم کو خوفزدہ نظروں سے دیکھنے جا رہا تھا۔

”بیم امن پسندوں میں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں!“

”وہ ہمارا بھی ہرخ سکتے ہیں!“

”ان کے بارے میں کچھ بتاؤ بھی تو۔“

”میرا سر چکار رہا ہے ... غشی ...!“ اس نے بوقت کہا اور انکھیں بند کر لیں۔ پھر
 اگر جید نے جھیٹ کر سبھا مل نہ ہوتا تو سر چکر پر ہوئے پھرست مکار اس نے اُسے با آہنگ شا دیا۔
 ”آبے یہ قس کو پکڑ لائے۔“ قاسم بھرائی ہوئی آداز میں بولا۔ انکھیوں سے سکی لیرف
 دیکھے جا رہا تھا... اپنی جوان العمر اور روش شکل تھا۔ میکن شاد کرنی توں سے شیو کرنا نصیب
 نہیں ہوا تھا۔

”سوئی مصیبت زدہ ہے! کچھ بتانے سے پہلے ہی می پہلوش ہو گیا۔“

”اب اس قومی کھلانا پڑے گا۔“ قاسم نے پر تشویش پہنچ میں کہا۔

کرنی فریبی اور اس پی شہباز فرس کے کچھ افراد سیاست فائزگ کرتے ہوئے آگے
 پڑھ رہے تھے۔ مخالف تہمت سے ہونے والے فائز اچانک اڑک گئے تھے۔ اور شہباز بولا!
 ”اجتنی اسے باوہ مردوں شامد اب اپنی پسالی کا در رامہ کر رہے ہیں!“

فریدی کچھ نہ بولا۔۔۔ لیکن آگے بڑھتا رہا۔ کسی چیز کی طرح چوکنا تھا۔ دفعتہ کسی
 جانب سے غصوں آداز میں بچانی جانے والی سیٹی کی آواز آئی۔۔۔ اور فریبی رُک گیا۔ ایس۔۔
 پی شہباز کی انکھوں میں پل بھر کے لیے حریت کے آثار نظر آئے۔
 سیٹی کی آداز پھرائی اور اس بار فریبی نے سہت کا صحیح تعین کر لیا اور اسی جانب بڑھتا
 ہوا بولا۔۔۔ آیے۔۔۔“

”میں نہیں سمجھا!“ شہباز بولا۔

”میرے آدمیوں نے اُنہیں قیادوں میں کر لیا ہے۔ اطلائی اشارہ تھا!“

شہباز کے چہرے پر باول سا اکر گزدگیا۔ اور وہ چکا ہوت دانتوں میں دبائے
 فریبی کے ساتھ چلتا رہا۔

اور چھوڑہ اُس جگہ جا پہنچے جہاں تین آدمی بندھے پڑے ہوئے تھے۔۔۔ اور ان کے
 قریب ہی تین رائٹنیں پڑی نظر آئیں۔۔۔

”ادا۔۔۔“ شہباز بولا۔۔۔ میرے تو شکوہ آباد کے مفروضہ معاشر ہیں! اُنہیں عرصہ سے ان کی
 تلاش تھی۔۔۔“

دو جناب عالی۔۔۔ ان میں ایک نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن شہباز قبیٹ کر بولا!
 ”خاموش رہو۔۔۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔۔۔“

در اگر شکوہ آباد کے مفروضہ معاشر ہیں تو آپ جایں!“ فریدی نے الپرداہی سے کہا۔
 ”لیکن۔۔۔ آپ کے وہ اکمی۔۔۔“ شہباز نے پر تشویش آداز میں چاروں طرف دیکھتے
 ہوئے پڑھا۔

”میرے علاوہ اور کسی پر خوف ظاہر نہیں کرتے!“

”شاید اسی لیے آپ آپ ہلک نہ رہے ہیں!“

فریدی نے شاذوں کو جنتش دی اور سکار کا گوشہ توڑنے لگا۔۔۔

”شہباز نے تینوں قیدیوں کو گھوڑتے ہوئے کہا ہی یہ چار تھے۔ ساتھ ہی فراہ ہوئے

تھے۔ پھر ان سے کوڑک کو پوچھا۔ ”چو قماہاں ہے؟“
”شاپ ہو گیا جناب عالیٰ۔“ ایک بولا۔

”اچھا اچھا۔ اب تم پاگل پسے کی باتیں بھی کرو گے...“ شہباز انہیں خونخوار نظر دی
تے گھوڑتاہ بولا۔ اور اپنے آدمیوں سے کہا۔ ”مہکڑیاں ڈال کر انہیں لے چلو...“
”تم... مگر جناب عالیٰ...“
”خاموش رہو،“ شہباز وباڑا۔

فریدی دوسرا طرف منہ پھیر کر مسکرا رہا تھا۔ والپی کے سفریں شہباز خاموش رہا۔
اپنے پر دگرام کے مطابق وہ زردی کوہ تے سرکش آدمیوں کی ایک میکن گاہ پر چھپا پاما رئے آیا تھا۔
لیکن اس میکن گاہ تک پہنچنے سے پہلے ہی ان پر فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ فریدی کو بھی ساختہ
لایا تھا۔

شتوہ آباد کی حدود میں داخل ہو کر فریدی نے اس سے کہا۔ ”اچھا خان شہباز میں تو
آب جا کر آرام کروں گا۔ بہت تھک گیا ہوں... آپ اپنے مقرر دل کوے جائیے...
جس ہر قسم سے لگتے ہے... وہ نہ ہوا۔ یہ لوگ شکوہ آباد کے مقرر ملزم نہلے!“

”آپ فکر نہ کیجیے؛ میں اب خان عبدالرحمن کی حمپی کی نلا سی کا وارث حاصل کروں گا
اوہ آپ بھی یہ ساختہ ہوں گے۔“ شہباز نے کہا۔

”ہاں آخری صورت بھی رہ جلتی ہے!“ فریدی بولا۔

”خان شہباز لینڈرور سے اُتر کر انی ہیمیوں کی طرف بڑھ گیا۔ اور فریدی نے ہٹل
کی راہ لی۔ پیکھوڑ پہل کر ڈلیش بولڑ کے خلے سے گلہمیر طکا ٹھاؤ ٹھڈ پیس نکلا۔“

”وہ ہیلو... بی تھریٹن... بی تھریٹن... بارٹو اسٹون کانٹنگ... ہیلو بی تھریٹن!“
”بی تھریٹن سرا!“ اسیور سے آواز آئی۔

”وہ کسی چوتھے آدمی کی بھی بات کر رہے تھے جو انہیں کے لفاظ میں غائب ہرگیا!“
”وہ ہمیں کوئی چوختا آدمی نہیں دکھانی دیتا۔ جناب اور ہی تینوں فائز نگ کر رہے تھے۔“

”و تمہیں پوری طرح لقین ہے کہ اس سلسلے میں تم سے کوئی غلطی نہیں ہوئی!“
”مجھے پوری طرح لقین ہے جناب...“

”اوور اینڈ آئ۔“ کہ کر فریدی نے سوچ آف کیا اور باٹھ پیس کو ڈلیش پورٹ کے خلے
میں رکھ دیا۔ وہ سچ آرام کرنا چاہتا تھا۔ یہ نکر رات اُس سے شیرا فلکن کی کوئی میں لگارتی تھی اس
کے لاغذات دیکھا چاہتا تھا۔

شام کی چائے پی کر سوگا، نیند کا سلسہ درد انے پر ہونے والی دستک نے توڑا
تھا۔ گھری دیکھی۔ رات کے نونج کئے تھے۔ اٹھ کر دروازہ گھولوا اور آئنے والوں کو دیکھ کر محترم
کیا۔ حمید اور قاسم کے ساتھ دو افراد اور بھی تھے۔ ایک عیر ملکی روکی اور ایک ایسا آدمی جسی
کا پورا چہرہ پیسوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ صرف انکھوں کی جگہ کھلی نظر آرہی تھی اور سب سے بڑا
اچنچا یہ تھا کہ حمید اور قاسم اپنی صاف سترھی شکلوں میں تھے... ڈاٹ جیسا اور بالوں کے
چھاڑ جھنکاڑ غائب ہو گئے تھے۔ فریدی نے خاموشی سے پیچے بٹ کر انہیں اندر آنے کے
لیے راستہ دیا۔

”دیں سوچ بھی نہیں سکتا تھا...“ اس نے حمید کو گھوڑتے ہوئے آہستہ سے کہا اور
اس آدمی کی طرف دیکھنے لگا جس کا پورا چہرہ پیسوں سے ڈھکا ہوا تھا۔
”و آپ کے لیے تھفہ ہے!“ حمید نے کہا!

”کیا مطلب ہا!“

”پیساں کھول کر دیکھ لیجیے۔ آپ لپنڈ فرمائیں گے اور یہ بھی بھول جائیں گے کم
دولوں پیسوں کے وہ میں کیوں نہیں نظر آ رہے...“

”تم خود ہی کھولو۔“ فریدی بیزاری سے بولا۔

”اور حمید آگے بڑھ کر اس کے پہر سے پیساں کھونے لگا۔ بندش ایسی ہی تھی جیسے
سارا چہرہ زخمی ہو گیا ہو۔
”و تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں مقیم ہوں...“ فریدی نے پوچھا!

”اس رٹکی نے شہزاد کو فون کر کے آپ کا پتہ معلوم کیا تھا اُس سے کہا تھا کہ آپ کی گرفتاری ہے اور دارالحکومت سے آئی ہے!“
فریدی ہبڑے بھائی کھڑا محبود کو گھوڑا رہا... لیکن جیسے ہی اس شخص کا پورا پھر کھلا
پونک پٹا اور اس کے چہرے کا نتیجہ اپنے غائب ہو گیا۔
”دعاویٰ!“ دھنضطربانہ انداز میں اُس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔
”جی ہاں... کیمین حمید کی عنایت سے نیچے گیا۔ درغزیہ لاش آپ کے سامنے پیش کرد
جائی۔ وہ کچھ پیر فائزگ کرتے اور پھر مجھے گولی مار کر فرار ہو چلتے۔ اور میں اس حال متک
ایک راٹل میرے را تھیں وہی ہوتی۔ اور گولی کا سوراخ پیشانی پر پہنچنا پھر خبر چھپی کہ شیر افغان
کا قاتل پوری لیس کا مقابلہ کرتا ہوا امارا گیا۔“

”تو میں کیا بھوٹ بول بی ہوں؟“ رضوانہ غریب۔
”میں یہ نہیں کہتا... اور... میں نے تو سببے ہی کہدا ریا تھا کہ کوئی گرفتاری نہ ہو گئی۔
فریدی یہاں پیچ گیا ہے!“
”یہاں پیچنے سے کیا ہوتا ہے۔ اُس طرف تو اس کی پیچ نہیں بے اہمیت ہے آتھ!“
”یہ بھی میک ہے...! مال کہاں ہے!“
”جہاں ہوتا ہے...!“
”اُس سے نکال لاو...!“
”تم خود نکال لاو!“ وہ بھی اُس کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔ میں بہت تحکمی ہو گیا۔
”نادر اُس سے کنجی نہ کر باہر نکلا! اور موڑ سائیکل کی سیٹ کے نیچے قفل کا سوڑتے
تلاش کرنے لگا۔ کنجی گھما کر سیٹ اٹھاتی ہی تھی کہ کسی گاڑی کے ہیئت میں کی روشنی اُس
پر پڑی اور جس پوزیشن میں تھا اُسی میں رہ گیا! گاڑی اُسی کی طرف بڑھی چلی آئی تھی۔
تیرروشنی میں اُنکھیں چند حیاڑی تھیں۔ اُنھیں کروشی کی زد سے نکل گیا۔
گاڑی قریب ہی رکی اور اُس پر سے پانچ آدمی اتر کے!

”نادر جہاں ہو... وہیں ٹھہر وے!“ ستانے میں ایک آواز گوئی... لیکن نادر حملہ ملک
مار کر پھر موڑ سائیکل کے قریب آیا اور اُٹھی ہوئی سیٹ کے نیچے سے پھونکنے لگا۔ ایک
فائر ہوا... گولی اُس کے پیروں کے قریب پڑی تھی وہ اُنھیں کو صدر دروازے کی طرف
چھا کا۔ اور اندر ھنس کر دروازہ بند کر گیا۔
کوئی فریدی نے موڑ سائیکل کی اٹھی ہوئی سیٹ کے نیچے ٹارپ کی روشنی ڈالی اور
سیاہ رنگ کا ڈبڑہ نکال لیا۔ اور اُسے اپنے ایک سا تھی کے حوالے کرتا ہوا حمید سے بولا۔
”دروازہ کھلواؤ۔ بند کھوڑے تو قوڑ دو!“

”محید نے آگے بڑھ کر دروازہ پٹنا شروع کر دیا۔ پھر فریدی کے اشارے پر اُس
کے تینوں آوقی دروازہ توڑنے کے لیے آگے بڑھے ہی تھے کہ دروازہ مغل گیا۔ اور پر دشیر

رات کے تین بجے تھے اور پروفیسر خلیقی کے نیکلے کی بعض کھڑکیاں بھی تک روشن نظر
آہی تھیں۔ ایک موڑ سائیکل چکر والا سڑک پر نیکلے کی جانب بڑھتی دھکائی دی اور عین صدر
دروازے کے سامنے چاڑی کی رضوانہ اُس پر سے اُتری اور دروازے پیٹنے لگی۔ اور دروازہ کھوند
نادر تھا۔ وہ اُسے دھیکلاتی ہوئی اندر گھسی اور اُسے دروازہ بند کرنے کو کہتی ہوئی آگے
بڑھتی چلی گئی۔ نادر پورے بیاس میں تھا۔ اُندر کوٹ بھی پہن رکھا تھا۔ سر پفتہ ہیت
تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کہیں باہر جلنے کے لیے تیار ہوا ہوا۔ لابریٹری میں پہن
کر وہ اُس کی طرف مڑتی اریزوئی یہ پہلا اتفاق ہے کہ وہ لوگ مقرر وقت پر وہاں
پہنچ پہنچے۔“

”یہ ناممکن ہے۔ قطبی ناممکن۔“ نادر نے اُسے پر اشتباہ نظروں سے دیکھتے
بُوٹے کہا۔

خُلجی کا وحشت زدہ پھر نظر آیا۔۔۔ چند ہیاں ہوئی انکھوں سے انہیں دیکھتا ہوا بولا ابیہ کیا
ٹوفان بدلتیزی ہے اتی رات کئے؟

”ہمارے پاس نادر کی گرفتاری کا ورنٹ ہے“ فریدی نے آگے پڑھ کر کہا
”تو یہاں کیا کر رہے ہو۔۔۔ وہ یہاں نہیں ہے؟“

”کیا جسم کی پشت پناہی کے جرم میں تم بھی گرفتار ہونا چاہتے ہو۔۔۔ وہ ابھی ابھی
ہمارے بلکے میں اسی دردازے سے داخل ہوا ہے؟“

”بکواس ہے“ پروفیسر کے عقیب سے رضوانہ کی آواز آئی۔

”یہ باہر موڑ سائیکل کسی کی کھڑی ہے؟“ فریدی نے رضوانہ سے سوال کیا
”وہ ہو گئی کسی کی میں تھیں جانتی۔۔۔“

”اس موڑ سائیکل کی سینٹ کے نیچے سے کم از کم دو پونڈ یہی وزن برآمد ہوئی ہے؟“

”ہوئی ہو گئی۔۔۔ پتا نہیں کسی کی موڑ سائیکل ہے اور کون کھڑی کر گیا ہے؟“

”ہو سکتا ہے چھڑا سی کی ہوجو سیٹ اٹھا کر سیر و میں کاڑبہ نکال رہا تھا اور ہمارے
لگا کرنے پر ہمارے بلکے میں داخل ہو گیا۔“

”اندر اسکر تلاشی لے لو۔۔۔ یہاں کوئی بھی نہیں ہے؟“ رضوانہ نے کہا۔

”ہم میں کریں گے۔۔۔“ فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔۔۔ پروفیسر اس کے ساتھ چل رہا
تھا اور بے حد خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔

انہوں نے پوری عمارت چھان ماری۔ فریدی کے دوسرا تھی باہر ہی رہ گئے
غالب اُمارت کی دوسری جانب نکالی کے راستوں کی نگرانی کر رہے تھے۔
بہر حال نادر کامسراغ نہ مل سکا۔۔۔ آخر فریدی پروفیسر کی طرف مدد اور اس کی
انکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔۔۔ ہمارے بلکے میں داخل ہوا تھا۔۔۔“

”یہ تھماری بات کی تردید کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں“ پروفیسر نے آہتا
سے کہا۔

”فریدی!“ رضوانہ دھاڑکی۔۔۔“

بلکیں مہمید اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔ اُسے بلکل سی چمک کا احساس اور اس
نے بڑی پھر تھی دکھانی ورنہ چھٹ سے ٹکرائے والی گولی پروفیسر کی کھوئی ہیں پورست ہو
گئی ہوتی۔ اُس نے رضوانہ کا پستول والا ہاتھ اپر اٹھا دیا تھا۔ پھر بایاں مارخ رضوانہ کی
کھوٹی پر پڑا۔ اور وہ دوسری طرف الٹ گئی۔ اس کا اعشاریہ دوپاچ کا چمکدار پستول اب
مہید کے ہاتھ میں تھا۔

اور پھر فریدی کے اشارے پر رضوانہ کے ہاتھوں میں بھٹک کر بیان ڈال دی گئی۔
وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پاگل ہو گئی تو۔ جو کچھ بھی کہہ رہی
تھی وہ کسی کی سمجھی میں نہیں آ رہا تھا۔

”پروفیسر دیوار سے نکال کھڑا ہوئی اگری سانسیں لے رہا تھا۔
”اس کیتھا نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔۔۔“ وہ پانچتا ہوا بولا۔“ اسے تو خود کشی کر
لیں چاہتے تھیں۔ لیکن اس نے مجھ پر فائز کیا۔“

وہ چھٹی ہوئی پروفیسر پر جھپٹی لیکن مہید نے بازو پکڑ کر تھی کھینچ دیا۔
”اسے فی الحال کسی کمرے میں بند کر دو۔۔۔“ فریدی نے اس سے کہا۔ اور وہ دوسرے
ادمی کی مدد سے اُسے دوسرے کمرے میں گھیٹ لے لیا۔

پروفیسر نے انکھیں بند کر لی تھیں اور آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا! وہ یہیں تھے خلنتیں
ہے لیکن اُب اور حصے اُس پہنچا محل ہو گا۔ یہ راستہ اور جیسے ہے جسے میرے
علاوہ اور کوئی نہیں جانتا اتنی تھیں دیاں لے چلوں گا۔ میں نے تہہ خلنتی میں بوٹیوں کا
عرق کشید کرتے کیے جدید ترین میشین لگانی تھیں۔ اس مردوں نے انہیں ایسی میشینوں
میں تبدیل کر دیا جیسے وہیں بنائیں۔۔۔ اور شراب بھی کشید کرنے لگا۔ میرے سینے پر حان
شہزاد کی توپ رکھ دی گئی تھی۔ نادر اسی کا کام پورا کر دیا۔۔۔ اُس نے اُس دیوانی کیشی کو
چھاش کر مجھے اس حلال کو پہنچایا ہے۔ میری یحیت عصمو معطل کی سی ہو کر دی گئی تھی۔ زبانی

امتحان کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا دوسال سے میں تمہارے خلنسے میں قدم بھی نہیں رکھ سکا! میں نہیں جانتا کہ وہاں اور کیا کیا ہے!

”وہ چلو مجھے وہ راستہ پتاو۔ تھیں وعدہ معاف گواہ بناؤں گا تمہارا باال بھی بیکا نہیں ہو گا!“ فریدی اس کا شانہ تھپک کر بولا۔

وہ خاموشی سے باہر نکل آیا اور ایک جانب سے ٹیکے کی ٹھلان میں اترنے لگا۔ وہیں فریدی کے وہ دوسرا تھی ملے جو باہر رہ گئے تھے فریدی انہیں نکاسی کے راستوں کی نگرانی کرنے کی ہدایت دیتا ہوا پروفیسر کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

ٹیکے کے بینے پنج کرو فیسراں کی طرف مڑ کر پوچھا تاریخ ہے؟“ فریدی نے تاریخ روشن کریں۔ پروفیسر اس کے باقاعدے تاریخ سے کر بولا۔

”ادھر بہت بڑے بڑے جنگی چوڑے بھی ہیں۔ ہوشیار رہنا۔“ روشنی کا دائرہ ایک بڑے سوراخ پر پڑا تھا۔ جس سے ایک خاصا جسم آدمی چوپ کی طرح گز رکتا تھا۔ پروفیسر نے تاریخ فریدی کو محنتے ہوئے کہا۔ عقب سے روشنی ڈالو۔ اور میر مجھے تھجے چلے آؤ۔“

”اندر ہی کے راستے کو کیوں نہ آنایا جائے؟“ فریدی نے آہمنہ سے کہا۔“ وہ قطعی ناممکن ہے۔ اس نے اندر سے بند کر لیا ہو گا۔۔۔ باہر سے راستہ نہیں نکالیں گے۔ اس سوراخ کی لمبائی تین چار فٹ سے زیادہ نہیں ہے۔ اس کے بعد تم پیروں سے چل سکو گے۔ فکر کیوں کرتے ہو۔ پہلے میں جا رہا ہوں۔“ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کے اندر ڈال دیئے۔ اور کسی چیلکی کی

ہی طرح سوراخ میں رینگ گیا۔ فریدی تاریخ کی روشنی سوراخ میں ڈالتا رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا اور پروفیسر کے بیان کے مطابق تین یا چار فٹ سے بعد ہی۔ اس کے پر زمین سے جا لے۔ اور وہ سیدھا کھڑا ہو گیا سامنے پھر کی بیانی ہوئی۔ روشنی جس میں ایک آہستی دروازہ بھی نظر آیا۔ دیوار میں کمی جگہ سوراخ بھی دیئے گئے بڑے بڑے

چوہے اچھل اچھل کرو ان سوراخوں میں جا گئے۔

پروفیسر دروازہ کھونے کی کوشش کر رہا تھا۔ شاہزادہ بہت عرصے سے نہیں کھولا گیا تھا۔ فریدی نے بھی زور آنٹی کی اور دروازہ کھل گیا۔ عجیب سی بدبو کا بھپکا دروازے کی سے باہر آیا تھا۔ وہ اندر داخل ہرئے... اور پروفیسر کا ہمہ سے جو لا بل پسے آداں چلنے کی کوشش کر رہا۔ جہاں اسلخ بھی ضرور ہو گا۔ وہ درندہ ہے انسانی زندگی کی اُس کی نظر وں میں کوئی وقت نہیں۔ مجھے لفیں ہے کہ شیر انگل کو اسی نے قتل کیا ہو گا۔ دفعتہ روشی کا دائرہ انسانی پڑیوں کے ایک ڈھانچے پڑا اور پروفیسر جہاں تھا دیں رُک کیا اور پھر سحرِ ذوق کے سے عالم میں پولابند کی قسم میں نہیں جانتا۔ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ میرے خدا ہیاں پر سب کیا ہوتا رہا ہے۔“

”وہ مجھے لفیں ہے!“ فریدی اس کا شانہ تھپک کر بولا۔ ”چلو آگے بڑھو!“

دفعتہ انہوں نے کسی کے قدموں کی چاپ سنی... اور فریدی پروفیسر کو گھیٹتا ہوا

تراب کے ایک بڑے چوپی پیسے کی اوٹ میں ہو گیا۔

چھر انہیں نادر و کھانی دیا جو اسی طرف چلا آ رہا تھا۔ اس کے دامنے ماتھیں ایک

موی شمع تھی اور بائیں ہاتھ میں سپتوں تھا۔ اُن سے ٹھوڑے ہی فاصلے پر رُک کر اُس نے موی

شمع اور پاٹھانی اور دیوار پر کچھ دیکھنے لگا!

وہ اندر واسے راستے کی نگرانی کر رہا ہے۔“ پروفیسر نے فریدی کے کان میں کہا۔

در نادر سپتوں زمین پر ڈال دو۔ تم میرے نشانے پر ہو!“ دفعتہ فریدی نے اپنی

آواز میں کہا اور موی شمع نادر کے ہاتھ سے گزگزی۔ ساختہ ہی اس نے آداں کی جانب ایک

فارٹ بھی۔ جھونکا مارا۔

لیکن اندازے کی غلطی کی بنا پر وہ فائز صدائے ہو چکا تھا۔ فریدی نے اُسے درہ

فارٹ کی جہالت نہ دی۔ اُس کے رپو اور سے شعلہ نکلا اور نادر کے گرفتگی کی آداں اندر ہیں گوئے کر رہے تھی۔ موی شمع کر ستمی بچھتی تھی۔

وہ اُدھ - تو پیل کیا۔! اس کی زبان سے بیسا ختنہ نکلا۔

”بھی باراں... اور ایک بڑی عجیب کہانی سنائی ہے۔!

وہ تو سمجھی سناتے ہیں۔ آپ لوگ تشریف رکھتے۔!

”بھی تینوں تھے۔!“ داور نے قیدیوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”صبر سے کام کو“ فریبیری بولنا۔ بدپوش جاؤ۔“

وہ جی - تو کیا کہانی سنائی ہے اس نے۔! شہباز نے طنز یہ لمحے میں پوچھا۔!

”یہ کہانی شیرا فکن سے شروع ہوتی ہے۔ اُسے آپ کے اور نادر کے مشغیر کے بزنس کا علم ہو گا تھا۔“

”کون ناس مشترک بزنس!“ شہباز کا بھی مفہوم اُڑانے کا ساتھا۔

وہ بعد میں بتاویں گا۔ پہنچے آپ کہانی سنئے۔“

”کیا یہ مجھے چاہنسے کی کوئی ایکیم ہے...! میر کوئی پچھنچیں بگاڑ سکتا۔“

”میں صرف کہانی سنانا چاہتا ہوں بننے پکارنے کی بات نہیں ہو رہی۔ ہاں تو

بیچارہ شیرا فکن جانتا تھا کہ آپ کے خلاف کوئی ثبوت جیسا کہ سکے گا۔ لہذا اس نے سوچا

کہ کوئی ایسی حرکت کی جائے کہ مرکز کی توجہ اس طرف بندول ہو جائے اور کوئی دیاں سے آ

کریہاں کے حالات کا جائزہ ہے۔... لہذا اس نے کمی بڑے وحش کے کے اس طرح کہا

جانی نقصان نہ ہونے پاۓ۔ پھر ایک ایسے جنی کی کہانی سنانے لگا جس نے اس کی ای

میں شہر کو تباہ کر دینے کا خدرا کیا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے داور کو اپنے اختاد میں لیا۔ نا

ن کسی طرح اس کی سُن گن پالی اور شاید آپ کو مطلع کرو دیا۔ آپ نے ان درجنوں کی نگرانی پر

اپنے کچھ آدمی لگادیئے اور اُن کے حالات سے بخوبی آگاہ رہنے کی کوشش کی۔ نادر برسی۔

آپ کو یہ الہام بھی پہنچا گئی کہ وہ دونوں دار الحکومت جانے والے ہیں۔ التفاقات

دریان میں داور کے باپ سے شیرا فکن کا جھکڑا ہو گیا۔ بڑھاں وہ دونوں الگ الگ ہے۔

دار الحکومت کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک ہی ہوش میں قیام کیا۔ لیکن الگ الگ کر دا

کوئی ٹھوس چیز فرش پر چھپتی ہوئی اُن کے قریب ہی آرکی۔ یہ شاید نادر کا پستول بھقا۔ فریبیری نے ٹھوٹ کر اُسے آٹھا لیا پھر اپر روشن کی۔ نادر مکروہ سے ہی فاصلے پر پڑا نظر آیا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور اس طرح پلکیں جھپکارہ لختا جیسے سمجھ میں نہ آمدہ ہو کر یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔

فریبیری کی گولی اُس کی داہمی ران میں لگی تھی۔...

پر و فیسر نے زور دار قہقہہ لگایا اور بولدا۔! اب بتاؤ تیس مار خان اپ دھنکا دھنے نادر نے اٹھ میٹھے کی کوشش کی لیکن فریبیری۔ بیو اور سیدھا کرتا ہوا بولدا۔! چپ چاپ پڑے ہے ورنہاب کھوپڑی میں سو راخ ہو جائے گا۔“

باہر چکلی دھوپ چلی ہوئی تھی۔ اور اس پی شہباز اپنے آفس میں بیٹھا کھڑکی سے دور کی پہاڑیوں کا جائزہ میں رہا تھا۔ ہائی جانب تینوں قیدی کھڑے تھے۔ وہی تین جنہیں فریبیری کے آدمیوں نے گرفتار کیا تھا۔ وفتحہ شہباز اُن کی طرف مرد کر بولدا۔! جو کچھ میں نے سمجھا دیا ہے۔ اس کے خلاف نہ ہو! ورنہ تمہارے بال پھول تک کا پتہ نہیں چلے گا۔!

”الیسا ہی ہو گا عالی جاہ۔!“ تینوں نے بیک آڈر کہا۔ اتنے میں انکی پڑی سرف زی نے اند آکر الہام دی کہ فریبیری آرہا ہے اور اس کے ساتھ ڈسٹرکٹ میجیٹ بھی ہے!

”آنے دو۔!“

شہباز بڑا سامنہ بنا کر بولنا۔ لیکن جیسے ہی وہ آفس میں داخل ہوئے وہ بڑی طرح حونک پڑا۔ نیبوں کہ اُن کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا۔ فلاٹ نے لفینٹ داور...“

میں اور دوسرے نے دیا اُس سے اُس کے کمرے میں بھی ایک آدھ بار ملاقات کی تھی ان دونوں نے دراصل تجھ سے ملنے کی ایک بنا لی تھی۔ آپ نے شیرانگن کے قتل کی ایک بنا لی تھی۔ قتل سے قبل والی رات کو دوسرے نے اپنے کمرے میں کھانا طلب کر کے کھایا اور ہوش ہو گیا۔ دوسرا بار آنکھ کھل تو ہوش کے کمرے میں نہیں تھا۔ شیرانگن کا قتل اُس کے سر مند ہٹھے کے لیے آپ نے اس کا اخواز کرایا۔ اصل قاتل نادر تھا۔ کیسی قدر اچھاوا پیدا کرنے کے لیے شیرانگن کے سوتیلے جھانی کی اسپورٹس کا جھبی استعمال کی گئی دراصل آپ یہ چاہتے تھے کہ میں آپ کی انگلی پر کرشکہ آباد تک پہنچوں اور آپ یہاں پر وارد رکھا دیں ।“

”و کو نساڑ رامہ!“ اسی پی غصیل بیجے میں بولا۔

”ہی ڈرامہ جو جل سپر کو زی کوہ میں ہوا تھا۔ یہ تینوں کچھ دیر تک بی پرفارٹنگ کرتے اور پھر دوسر کو گولی مار کر فرار ہو جلتے۔ اور جب ہم دیاں پہنچ تو دوسر کی لاش میں ملی۔ جس سے صفات ظاہر ہوتا کہ وہ پویس کا مقابلہ کرتا ہو اماڑا گیا۔ قاتل ہوئے کی ہڑا اس کی پیشانی پر ثابت ہو جاتی اور وہ اپنی صفائی پیش کرنے کے زندہ تھتا یا۔“

”کسی جاسوسی نادل کا پلاٹ سننا رہے میں کیا؟“ اسی پی زمزہن کے ساتھ بولا۔

”جی ہاں۔ جنمیں کل سرحد پار سے آنا تھا دہ آج تک نہیں پہنچ سکے ।“

”یکوں میرا مخفیہ اڑانے کی کوشش کر رہے ہیں کرنل صاحب آپ کو اُس کے لیے پہنچانے پر ٹرے گا!“

”ان کے نہ پہنچنے کی وجہ یہ ہے کہ پرسوں رات کو اڈھر پی پیٹن حیدر نے ان پہنچ افزاد مقابیا کر دیا تھا جو اصل کار پرواز تھے!“

”مچھے جائیے۔ میرے پلے کچھ بھی نہیں بڑھتا!“

”مچھے علم ہے کہ شمشیر گل کو کہاں وہنیں کیا گیا ہے۔ اور وہ پانچوں میری گرفت میں ہیں!“

شہزاد اس بار اُسے قہر کا دن تھا وہ دیکھ کر رہ گیا کچھ بولا نہیں۔ اُس کی آنکھوں سے صاف ظاہر ہے وہ تھا کہ آہستہ آہستہ میں اشارہ میں مبتلا ہوتا جا رہا ہے۔ فریدی اُسے بخوبی تھا پہلو لیا۔ نادر کو تھا کہ ہمیں شیرانگن نے وہ سارے ثبوت اپنی قاتمی میں درج نہ کر دیتے ہوں جو آپ دونوں کے خلاف استعمال کئے جاسکتے۔ اس لیے اُس نے اُس کی ساری ڈیزیاں غائب کر دیں۔“

”میرے خلاف آپ کوئی ثبوت پیش نہ کر سکیں گے! پواس کئے جائے!“ شہزاد ایکدم آپ سے باہر ہو گیا۔

”قریباً دو پونڈ وہ ہیر ویں میرے قبضے میں آگئی ہے۔ جوکل ان لوگوں کے حوالے کی جانے والی تھی۔ لیکن وہ آئئے ہی نہیں۔!“

”پراہ کرم خاموش ہو جائے۔ میرا وقت ضائع کیجئے۔ مجھے اور جھی کام ہیں!“

”فی الحال پہلا کام یہی ہو گا کہ اپنے خلاف سب سے بڑے شاہد نادر کو تلاش کر کے ٹھکانے لگا دیں۔ لیکن عرض ہے کہ وہ بھی ہیرے قبضے میں ہے اور وہی۔ ایک کی موجودگی میں اپنابیان ریکارڈ کراچکا ہے!“

دفعۃ شہزاد اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے روپا اور نکال لیا تھا۔ انہیں کو کرتا

ہوا پولہ اُتم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑ دیا گا۔“

لیکن دوسرے ہی تھے میں بائیں جانب سے فائزہ اور اُس کا ریو اور اچھل کر دور جا پڑا۔“

اُسکے طریقہ سف زنی کے سروں روپا اور کی نال سے دھوئیں کی تپی سی لکیر نکل کر فضایں بل کھا رہی تھی۔

شہزاد اپنائی خنجر تھا جو دوسرے ہاتھ سے دباتے ہوئے دھاڑا ”ذیل۔ لیکن۔

نک حرام۔!“

”شاندرا اسی وقت کے لیے شمشیر گل کی گویوں سے پنج گیا تھا!“ یوسف زنی

نے سروں پرچی میں کہا۔ اور چھپر ٹوئی۔ ایم کے حکم سے خان شہزاد کے ہاتھوں میں بختکٹیاں ڈال دی گئیں۔

”قہقہی ہے کہ ہمیں کی نیشنلٹی دلا دو۔ ہمیں چھوڑ کر قہیں نہ جاؤں غیری“
”و فراچاپیتی بیغم کا ذکر کر کے دیکھو چھر میں دیکھوں لا کہ لیکے نہیں جاتی“
”و پھر شروع قردویا۔ دیکھا چھا نہیں ہو گا۔“
”و اس سلسلے میں کرنل صاحب سے مشورہ کروں گا!“
”اے جاؤ وہ قریونی دیکھو دیکھ کر جیے جا رہے ہیں!“

”کچھ کہہ رہے تھے کیا؟“
”و جی ہاں پھر مارہے تھے جو کچھ اللہ نے دے دیا ہے اُس پر قناعت کرو ورنہ ساری جنگی پھتاتے رہو گے۔ تو قیاد سے دیا ہے اللہ نے... آخر قسیے دے دیا ہے اللہ نے... شہر لگا کر چاؤں!..“
”دیکھی کر کے دیکھو لو۔ جیاں بُر انہیں ہے!“
”و جان سے مار دوں غا۔“ قاسم مظہیاں بھیچ کر اُس کی طرف پیکا اور وہ ہنستا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

محض وہ فریدی کے کمرے کے سامنے رکا تھا۔ دروازے پر دستک دی! اندر سے اجازت ملنے پر دروازے کا ہینڈل گھما یا۔
فریدی تہنا نہیں تھا۔ لفٹیٹ داور اور اُس کا باپ نا صرخان بھی موجود تھے۔
”آئیے۔ آئیے!“ داور محمد کو دیکھ کر اٹھتا ہوا بولا۔ ”میرے بخات و بندہ تو حقیقتہ آپ ہیں۔“
”نہیں بھائی...“ جیبدت مسکرا کر گہا۔ ”سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوا تھا نہ جو سے ایک حماقت سرزد ہوتی اور نہ میں اس طرح بھٹکتا ہوا اُھر انکلتا جہاں یہ معركہ درپیش تھا۔“
”وہ میری زیادہ تر کامیابیاں اسی کی حماقتوں کی مرہن منت ہوتی ہیں...!“
فریدی بولا۔

قامم نے محمد کو اس زور سے بھینچا کہ اُس کی پسیداں کر کر داکھیں۔

”اُرے اُرے... چی کر رہا ہے چھوڑ مجھے...!“ محمد بلبلہ پڑا۔

”بائے بائے جیبد جبائی جما آغیا...!“

”ابے تو مجھے کیوں مارے ڈال رہا ہے!“

قامم اُسے چھوڑتا ہوا بوللا۔ ایسے یار قہقہی ہے کہ تم سے زیادہ حضورت آدمی آج تک نظر نہیں گزرا۔“

”جخط صورت کما ہو گا۔“

”یہ قیا ہوتا ہے!“

”ہا تک چند ہوتا ہے...!“

”جاو ساۓ تم یو ہی زیبات پر ٹھنڈا پانی ڈال دیتے ہمرا۔“

”زمیات نہیں جذبات۔!“

”ہوتا ہو غا کچھ چھٹتے تے!“

”اس کے لیے کیا سوچا ہے...!“

”تم نے سوچا ہے کہ میں نے سوچا ہے!“

”میں نے کیا سوچا ہے...!“

”میں تو قہہ رہے تھے کہ انظام قردوئے رکھنے کا کسی کو کافی کان خنزیر ہو گی۔“

”وہ کیا کہتی ہے...!“

”میری جان تو آپ بھی نے بچائی تھی!“ خان ناصر نے کہا۔
 ”وہ بھی بعض القاق تھا۔ بھی اپنا چاہتے ہے کہ اللہ آپ کو زندہ رکھنا چاہتا تھا!“
 ”اور آپ سے ملتے ہی مجھے لقین ہو گیا تھا کہ اس فرعون کے دن پورے ہوئے“
 ”و ان ساری کامیابیوں کا سرہ دلاصل سرخوم شیرا فکن کے سرے! انہوں نے
 بہت بڑا خطہ مولے کو مرکز کو اس طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔“
 ”میری سمجھیں نہیں آتا کہ آخر اور والوں نے شباز کی طرف سے اس طرح
 آنکھیں کیوں بند کر رکھی تھیں!“ ناصر خاں نے کہا۔
 ”بعض لا علمی کی بنا پر اس نے تحریک کاروں کی سروکی کاڑھونگ رچار کھانا تھا!“
 ”اسی کی آڑیں اس نے کیسے کیسے لوگوں کی پگڑیاں اچھائی تھیں۔ سوچ کو روشنی
 کھڑے ہوتے ہیں! خان زمان اور خان ابوالجیز توند ہی سے فرار ہو گئے!“
 ”فریدی کچھ نہ بولا۔ اُس کی آنکھیں وفتحہ لگیں گھری سوچ میں دوب گئی تھیں!“
 ”لیکن وہ لوگ آپ کو کہاں کہاں لیے چھرسے تھے!“ حمید نے دادر سے پوچھا
 ”مجھے کچھ ہوش نہیں۔ پتا نہیں کس قسم کے انجام دیتے رہے تھے کہ دیکھ سکتا
 تھا۔ سن سکتا تھا لیکن کچھ سمجھ نہیں سکتا تھا۔ اپنی قوتِ ارادی سے کچھ کر سمجھی نہیں
 سکتا تھا!“

”لیکن اس وقت تو آپ پوری طرح ہوش میں تھے جب مجھ سے ملاقات
 ہوئی تھی...!“

”اُس سے ایک دن قبل حالت کچھ بہتر ہوئی تھی۔ کیونکہ انہوں نے انگلشتوں
 کا سلسہ ختم کر دیا تھا اور مجھے ایک غار میں نے جا کر رکھا تھا۔ اور اسی دن مجھے
 معلوم ہوا کہیں کن حالات سے دوچار ہیوں اور میرا کیا ہشر ہوئے والا ہے۔ نادر وہیں
 اسی غار میں لاف و گراف کرنے آیا تھا۔ اسی نے مجھے بتایا تھا کہ کس طرح اُس نے
 شیرا فکن پایا کو قتل کر دیا اور اس طرح مجھے پیران کے قتل کا الزام آیا ہے اور آپ

شبیا رکس طرح کرن صاحب کو بھی غصہ دینے کی کوشش کرے گا۔ وہ مزے لے لے
 کر پوری ایکم میرے سامنے دھرا تارا باتھا۔ یہ سب کچھ مجھے ایک بھی انک حواب
 کی طرح یاد آتا دہتا ہے!“
 ”بھول جائیے۔ اسی کا نام زندگی ہے...!“
 ”لیکن میں شیرا فکن یا باکھیں بھلا سکوں گا!“ داور کا گلارندھ بگپا اور آنکھیں
 ڈبڈا باتھیں۔
 ”واقعی محروم ہی کی کوششوں سے ہمیں اس بھیر ٹرینے سے بچات ملی ہے باتھا
 ناصر نے کہا۔ ”میں نے تھیسہ کر لیا ہے کہ کم از کم اپنی زندگی میں اُن کی بیوی کو کوئی تکلیف
 نہیں ہونے دوں گا!“
 ”وہ میری ماں ہیں!“ داور بولا۔
 ”بڑے دل کر دیتے کی خورت ہے!“ فریدی نے کہا۔ ”بعض اُسی کی زہنمائی کی
 پناپر میں نادر تک پہنچ سکا تھا!“
 ”محظوظی دیر بعد وہ اٹھ کر چلے گئے... اور حمید نے فریدی سے کہا۔ ”میری
 بھی ایک پراپریم ہے۔!“
 ”فریا یہے...!“
 ”قاسم اور سکی...!“
 ”وہ کہہ رہا تھا کہ تھی اُس لڑکی کو درغذاتے رہے تھے۔!“
 ”تنے میں پھر کسی نے درغذاتے پر دستک دی۔ آنے والا قاسم تھا اور بہت
 زیادہ غصے میں نظر آ رہا تھا۔ حمید کو گھوٹنے دکھا کر بولا“ تم نے اچھا نہیں قیا۔“
 ”قیا اچھا نہیں قیا...!“ حمید نے اس کی نقل تاری۔
 ”کیا ہوا کیا بات ہے!“ فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ اور قاسم اس طرح چونک
 پڑا جیسے وہاں اُس کی موجودگی کا احساس ہی نہ رہا ہو...!

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں قیا چاہتا ہوں!“ وہ اپنی پیشانی پر دو تھوڑے مار کر بول۔
”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ فریدی نے سخت لمحے میں کہا۔
”جج... جی... قچھ نہیں...! جہنم میں چار ٹب ہوں...!“ قاسم نے کہا اور روزا
کھول کر باہر نکل گیا۔

”یہ کیا بغیرت پھیلائی ہے تم نے!“ فریدی حمید کو گھوڑتا ہوا بولا۔
”میں کیا کروں - یا“

”آخر وہ چاہتا کیا ہے؟“

”بلو ریسکرٹری رکھنا چاہتا ہے شادی نہیں کرتا چاہتا... پہلے وہ اسی پر
تیار تھی۔ لیکن جب سے اُسے معلوم ہے کہ قاسم شادی شدہ ہے تو اس پر اُتر آئی ہے
کہ وہ بھی شادی کرے گی۔ دراصل اسی بیسے وہ مجھ پھاڑ کھاتے کو دوڑدا ہے کہ
میں نے اُسے حقیقت سے کیوں آگاہ کر دیا۔“

”میں ڈیوبھج لائے پیں سے والپس چلنا ہے!“ فریدی گھٹی پر نظر ڈالتا ہوا
بولا۔

”کیوں؟ - کبھوں؟ اتنی جلدی کیوں...؟“

”سیکرٹری برائے امور مملکت نے طلب کیا ہے؟“

”کیوں؟ کیا اسکی بانپر س ہو گی آپ سے؟“

”کون بانپر کرسکتا ہے! شوت اور شواہ کے ساتھ میں نے یہ قدم
اٹھایا ہے۔“

”دپھر کیا بات ہے - یا“

”دوسری الحجج ہے - یا“

”کیا مجھے بھی نہیں بتاسکتے...؟“

”بھی - میں قیا بتاؤ!“ قاسم ڈھیلا پڑ کر ہٹکلایا۔

”بہت عفے میں آئے تھے - یا“

”بھی ماں... بات ہی ایسی تھی...!“ وہ حمید کی طرف مانگاٹا خاکر بولا۔

”یہ شخص مجھ تھا۔ جنہے نہیں رہتے دے گا - یا“

”آخر ہوا کیا؟“ حمید بگڑ کر بولا۔

تم نے اُس قوقيوں بتا دیا۔!“ قاسم نے آنکھیں نکالیں۔

”کیا بتا دیا...؟“

”اب یہ مجھ سے پوچھ رہے ہو... سس... سس... سس... قچھ نہیں!“

”وہ شناہزادے“ سے ”اہنا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی کی موجودگی کا خیال آتے
ہی صرف ”سس سس“، کر کے رہ گیا تھا۔

”اوہ - اچھا... وہ...!“ حمید سرہلا کر بولا!“ ماں میں نے اُسے بتا دیا

تھا کہ تم شادی شدہ ہو۔ وہ بھی اس خیال سے کہ شاید اسی طرح مہماں پہچاپا چھوٹ
جائے گا۔“

”ابے جاؤ۔ چھوٹ عینا پچھا۔ وہ قہقہی ہے۔ سیکرٹری نہیں بنوں گی۔ مجھ
سے شادی کرو۔ تم لوگ تو چار چار شادیاں فرستے ہو۔ میں مسلمان ہو جاؤں گی“

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔ اور حمید بولا!“ تب تو وہ بھی پاکی معلوم

ہوئی ہے۔“

”تم خود پاگل...!“

”تو کو یا تم چاہتے ہو کہ وہ مسلمان ہو جائے اور تم اُس سے شادی کرو“

”یہ تو قہقہا ہے...!“

”پھر کیا چاہتے ہو...!“

”تم نے ابھی خان ناصر کی زبانی دو قبائلی سرداروں کا ذکر سننا تھا۔ خان زمان اور خان ابوالیغیر جن کے بارے میں سرکاری ریکارڈ پر آجھا ہے کہ وہ ملک سے فرار ہو گئے ہیں ۔“

”جی ماں مجھے یاد ہے!“

لیکن وہ فرار ہمیں ہوتے پروفیسر خلیق کے تہہ خانے سے برآمد ہوتے والے دونوں ہڈیوں کے ڈھاپے ہنسنے کے تھے۔“

”خدکی پناہ ۔“

”نادر نے اس کا اعتراف کر لیا ہے! شہباز ان مدداروں سے کچھ اعترافات کرانا چاہتا تھا۔ اس کے لیے اُس نے انہیں تہہ خانے کی ایک ایسی کوٹھری میں پنڈ کر دیا تھا۔ جہاں گوشت خور چوہے تھے!“

”تو انہیں چوہے لھائے گے...!“ حمید نے جیرت سے پوچھا!

”یہی ہوا تھا!“

”ظاہر ہے کہ وہ اُن سے ایسے ہی معاملات کا اعتراف کرنا چاہتا رہا ہو گا جن کا ان سے تعلق نہ رکھا!“

”ظاہر ہے ورنہ وہ چوہوں کا شکار کیوں ہوتے!“ فربہ ہی طوبی سالمن نے کہ بولا! بہر حال اب مسئلہ یہ ہے کہ اس معاملے سے متعلق کیا کیا جائے۔ اگر یہ بات ظاہر کی جاتی ہے تو ان قبائل کو قابو رکھنا دشوار ہو جائے گا۔ جن کے وہ سردار تھے“

”واقعی بڑی خطرناک سچوں یہ ہے!“

”غائب“ سیکرٹری صاحب یہی فرمائی گے کہ ان ڈھاپوں کا ذکر میں اپنی روپت سے حذف کر دوں۔ ورنہ عدالت میں نادر اور شہباز سے اس کا بھی اعتراف کرایا جائے گا۔“

”آپ دشواری میں پڑ گئے ہیں!“

”میں خود اسے قلمز نہیں کروں گا... اُن کا جدول چاہے کریں!“

”میں نہیں سمجھتا!“

”رپورٹ اُن کے حوالے کر دوں گا۔ اُن کا جدول چاہے کریں۔ میں خود اپنے قلم سے وہ حصہ حرف نہیں کروں گا!“

”یہ اتنا آسان نہ ہو گا۔!“

”استخفاف تو آسان ہو گا۔!“

”اوہ۔ تو کیا اس حد تک بھی بات بڑھ سکتی ہے!“

”اصل لا بڑھنی تو نہ چاہیے...! خیر دیکھا جائے گا۔ وہ انگلی کی تیاری کرو۔“

دفعۃ پھر کسی نے دروازے پر دستک دی۔ حمید نے دروازہ کھولایا

بار سکی تھی۔!

”وہ جھٹے ٹالنے کی کوشش کر رہا ہے!“ اُس نے شکایت آمیز لیجے میں کہا۔

”کس سلسلے میں۔!“

”شادی کے سلسلے میں۔ احوالاتکہ میں تمہارا نہ ہب بھی قبول کرنے پر تیار ہوں۔!“

”بات دراصل یہ ہے کہ ہم میں سے بہترے چار شادیوں کے رواج میں تتفہر ہیں... قاسم کا باپ بھی ایسے ہی لوگوں میں سے ہے...!“

”باپ سے کیا مطلب!“

”ہمارے یہاں باپ ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ باپوں کی زندگی میں ہماری لوگی حیثیت نہیں ہوتی۔ لہذا ہم ہمیں شادی کے لیے اُس کے باپ کی موت کا

عمران سیفیز

مونالیزرا کی نواسی

مصنف :-
ابنے صفحے بنے اے

قیمت :-
تین سو پیسے

تھہتوں اور سس پیش سے بھرپور کہانی۔ عمران کے نئے رنگ ڈھنگ ... مونالیزرا کی نواسی کون بھتی۔ جرام کی دنیا بیٹی تھلکہ۔ ابی کہانی جو آسانی سے فراہوش نہیں کی جاسکے گی۔ ابڑو پچھر اور ایش سے بھرپور داستان اپنی کاپیاں آج ہی قرمبی بک اسٹاون پر محفوظ کرائیں۔
نوفٹ: ایک کاپی کا دی پی نہیں بھیجا جاتا۔ ایک کاپی کے لیے ۵/۹۰ روپے ڈاک کے مکملوں کی شکل میں باندر لیعہ منی آرڈر پیش کیجیے
اسرار سپلائی میشن، ۲۴ فردوں کا لوٹی کراجی ۱۵

کا انتشار کرنا پڑے گا۔!

”د میں انتشار کروں گی۔!

”آخر اس میں کون سی خوبی نظر آئی ہے کہ تم اس حد تک جانے کے لیے

تیار ہو۔

”بانکل ہی تو فہم ہے۔ ایسے لوگ مجھے بھروسے لگتے ہیں۔ اپنے ملک

میں مجھے ایک بھی ایسا نہیں ملا جو بانکل ہی تو فہم ہوتا۔

فریدی اور حمید حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھے جا رہے تھے۔

تمام شد

بُلْلَهُ